

مہاماری

ناول

شموئل احمد

عوام کے نام

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا
تم بھی آزاد ہوئے اہل وطن سے پوچھو

﴿ ۱ ﴾

فہیم الدین شروانی کو اکثر محسوس ہوتا کہ جس عہد میں وہ جی رہے ہیں وہ پٹے اور زنجیر کا عہد ہے جہاں ہر آدمی کے گلے میں پٹہ ہے اور زنجیر سامنے والے آدمی کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ احساس اس وقت بڑھ جاتا جب وہ محکمہ کی اس میٹنگ میں حصہ لیتے جس میں اعلیٰ حکام کے علاوہ سیاسی رہ نما بھی شریک ہوتے۔ سبھی زنجیر کستے..... ایم ال اے..... ایم پی..... کھیا..... سرینچ..... مکمل ناتھ منڈل کچھ زیادہ ہی کستا.....

مکمل ناتھ منڈل مقامی ایم ال اے تھا اور ناخن بڑھا کر رکھتا تھا۔ اس کا چہرہ اٹلے، ٹکٹ کی طرح تھا۔ پیشانی سپاٹ تھی اور چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں جو ایک ڈھلان کے ساتھ اچانک ٹھڈی پر ختم ہو گئی تھیں۔ ہاتھ بالوں سے بھرے بھرے تھے اور انگلیاں کیکیٹس کی شاخوں کی طرح نوک دار تھیں۔

میٹنگ میں اس کی زبان لپلیاتی اور آنکھیں ہیرے انگلیتیں..... وہ ایک ایک افسر کو گھور کر دیکھتا۔ ان کے کاموں کا لیکھا جو کھا مانگتا اور ”بھینٹ“ کا فرمان جاری کرتا۔ ”بھینٹ“ ایک فریضہ تھا جسے ٹالنا نہیں جاسکتا تھا۔ خود مکمل ناتھ منڈل سی ایم سے بھینٹ کرتا تھا۔ دور غلامی کی ڈالی پٹے اور زنجیر کا عہد آتے آتے بھینٹ میں بدل گئی تھی۔

اس بار جو بیس سوتری کی میٹھک ہوئی تو فہیم الدین شروانی کے لئے ”بھینٹ“ کا فرمان جاری ہوا اور ان کے گلے کا پٹہ کس گیا..... فہیم الدین شروانی اسٹیٹ کے واٹر ریورسینز ڈپارٹمنٹ میں ایکڑ کیوٹو انجنیر تھے۔ جہان نگری میں تعینات ہوئے ان کو مشکل سے دو ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ لیکن سر منڈا تے ہی اولے پڑے تھے۔ عہدہ سنبھالتے ہی بیس سوتری کی میٹنگ ہو گئی تھی جس کے پانچویں ستر میں ان کا محکمہ آتا تھا..... دور دراز علاقے میں جلا پورتی..... شروانی ایسی نشستوں سے دور بھاگتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کٹہرے میں کھڑے ہیں۔

جہان نگری میں ان کو پہلی بار ”جاتی سمیکرن“ سے آگاہی ہوئی تھی..... کون بھورا بال ہے.....؟ کون مائی کے تحت آتا ہے.....؟ سماجک نیائے والے کون ہیں.....؟ مثلاً بڑا بابو برہمن تھا..... ڈسپینچ کلرک راجپوت..... اسٹور کیپر

بھومی ہارتھا اور اکاؤٹس کلرک لالہ..... یہ سب بھورابال تھے۔ چین پورا اور حسن گنج کے جو نیرانجیر بھی بھورابال تھے۔ اکاؤٹس ذات کا ملاج تھا۔ کیشیر کوڑی اور اسٹنٹ ہریجن تھا۔ یہ سماجک نیائے والے لوگ تھے۔ اسٹنٹ انجیر کیلاش رائے اور جو نیرانجیر رمیش یادو اور خود فہیم الدین شروانی ”مائی“ کے تحت آتے تھے۔ شروانی کے آنے پر مسلم عملہ خوش تھا لیکن وہ اپنی خوشی کا اظہار کھل کر نہیں کر رہا تھا۔ شروانی سے ان کی باتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں ہوتی تھیں۔

جس دن بیس سوتری کی میننگ تھی رمیش یادو نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”آپ کو یہاں پریشانی نہیں ہوگی سر.....!“

”کیوں.....؟“

”اسٹنٹ میں مائی کا سیکر ہے..... مائی میں بھی پہلے ”ایم“ ہے پھر ”وائی“ پہلے آپ

ہیں پھر ہم لوگ.....!“

”وہ تو ہے.....!“ شروانی مسکرائے تھے۔

”یہاں زیادہ تر ودھانک مائی والے ہیں۔ لیکن رام چندر جھابی جے پی کے ہیں اور مکیش

درپن بھی وروڈھی دل کے ہیں۔“

پھر رمیش یادو رازدارانہ لہجے میں بولا تھا۔

”بڑا بابو سے ہوشیار رہنیے گا.....“

”کیوں؟“

”برہمن ہے.....“

شروانی کو اچھا نہیں لگا کہ ایک جو نیرانجیر اس طرح ذات پات کی باتیں کرے۔ وہ خاموش رہے۔

”ان لوگوں نے بہت شوشن کیا ہے سر.....!“

”اب آپ لوگ کر رہے ہیں۔“

”نفرت تو ان لوگوں نے ہی پھیلانی۔ یہاں بیک وارڈ کا ابھرتا ہوا لیڈر تھا..... مہندر.....

اس کو بھومی ہارڈی اس پی نے گولی کا نشانہ بنایا.....“

شروانی نے موضوع بدلا۔

”میں کچھ فائلیں دیکھ لوں.....؟“

رمیش یادو جیمبر سے باہر چلا گیا۔ شروانی نے کچھ اہم باتیں ڈائری میں نوٹ کیں۔ مثلاً کون کون سی اسکیم چل رہی

ہے..... کون کون سی بند ہے..... کتنے چا پائل بند ہیں کتنے چالو..... کچھلی میٹنگ کی رپورٹ فائل میں رکھی اور کلکٹریٹ پہنچے۔

سیاسی نمائندے پہلے سے موجود تھے۔ مکمل ناتھ منڈل تاخیر سے آیا۔ اس نے آتے ہی حسب معمول سب کو گھور کر دیکھا۔ پھر شکایتی لہجے میں بولا۔

”میں اپنے چھیتزر سے آ رہا ہوں۔ کہیں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے.....!“

پھر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

”کسم پور کے بی ڈی او آئے ہیں.....؟“

”لیس سر.....“ ایک کونے سے آواز آئی۔

”پلیا کا زمان کیوں رک گیا ہے؟“

”فند نہیں ہے۔“

”فند کیا ہوا.....؟“ مکمل ناتھ غڑایا۔

ڈی ایم نے سمجھایا کہ وہ کام آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی سے ہونا تھا۔ ابھی فند نہیں ملا ہے۔

”اور اسکول بلڈنگ.....؟“

”کام چل رہا ہے۔“

”اس میں دو نمبر کا کام ہو رہا ہے۔“ پنچائت کا کھیا بولا۔

”ان کا سپروائزر سیمینٹ بیچتا ہے.....“

”الاٹمنٹ کتنا ہے.....؟“

”دو لاکھ!“

”خرچ؟“

”ستر ہزار.....!“

”ستر ہزار خرچ ہو گئے اور ابھی تک چھت نہیں پڑی.....؟“ کھیا بولا۔

”کام چل رہا ہے۔“ بی۔ ڈی۔ او نے وضاحت کی۔

”ڈی ایم صاحب! آپ انسپیکشن کیجیے اور رپورٹ دیجئے۔“

”گرا مین بینک.....؟“

ڈی ایم نے افسر کی قطار پر نظر ڈالی..... ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ایک منحنی سا آدمی کرسی سے اٹھا۔

”مینجر صاحب ہیڈ کوارٹر کی میٹنگ میں گئے ہیں۔“

”آپ کون ہیں.....؟“

”کیشیر.....“

”ہیڈ کوارٹر کی میٹنگ ضروری ہے اور یہ میٹنگ ضروری نہیں.....؟“ مکمل ناتھ غڑایا۔

کیشیر خاموش رہا۔

”رن و ترن کیوں نہیں ہو رہا ہے؟“

”پرکھنڈ سے سوچی نہیں آئی ہے۔“

”کیوں بی ڈی اوصاحب.....؟“

”سوچی لگ بھگ تیار ہے۔ ایک دن میں بھیج دوں گا۔“

”جولوگ غریبی ریکھا سے نیچے ہیں ان کے لئے جرسی گائے کی ویسٹھا کرنی تھی۔ اس کا کیا

ہوا؟“

”سوچی بن رہی ہے۔“ بی ڈی اوبولا۔

”آپ سال بھر سوچی ہی بناتے رہیے۔“ کھیا ہنسنے لگا۔

”شکھچھا و بھاگ.....؟“

اس ڈی اویجو کیشن کھڑے ہوئے۔

”آپ کا ماسٹر بھاگا رہتا ہے۔ ایک بھی ماسٹر گاؤں میں نہیں ہے۔“

اس ڈی اویجو کیشن چپ تھے۔

”یہ لوگ کیشن لے کر تنخواہ دے دیتے ہیں۔“

”ایسی بات نہیں ہے۔“ اس ڈی اوی نے احتجاج کیا۔

”ایسی بات نہیں ہے تو جانچ کروادیتا ہوں.....“ مکمل ناتھ منڈل معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

اس ڈی اوی چپ.....

”آپ بھینٹ کیجئے!“

”آرای او.....؟“

ایکڑ کیوٹیو کھڑے ہوئے۔

”میرے چھتر میں روڈ کی حالت بہت جبر ہے؟“

”ابھی الاٹمنٹ نہیں آیا۔“

”اسٹیٹسٹ کا کیا ہوا؟“

”بنا کر بھیج دیا ہے۔“

”یہ کام ضلع یوجنا سے نہیں ہو سکتا کیا.....؟“ مکمل ناتھ منڈل ڈی ایم سے مخاطب ہوا۔

”یوجنا میں پیسہ نہیں ہے۔“ ڈی ایم مسکرایا۔

مکمل ناتھ منڈل کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

”بلاک کے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں.....؟“

”جی ہاں!“

”میں مرزا چک ہیلتھ سنٹر سے دوبار گزارا ہوں۔ وہاں نہ کمپاؤنڈر تھا نہ رس۔“

”کمپاؤنڈر کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔“

”آپ ہیلتھ سنٹر کب وزٹ کرتے ہیں؟“

”یہ کسی سنٹر پر نہیں جاتے ہیں۔“ ایک مقامی نیتا بولا جو بیس سو تری کا نامزد ممبر تھا۔

”یہاں رہتے ہی نہیں ہیں۔“ مکھیا نے جوڑا۔

”آپ لوگ ہیڈ کوارٹر میں رہیں نہیں تو دنڈ ملے گا.....“

”الکٹر سیٹی ڈپارٹمنٹ.....؟“

ایکڑ کیوٹو انجنیر نے پہلو بدلا۔

”حسن گنج میں اندھیرا کیوں ہے.....؟“

”اگر وادیوں نے تار کاٹ لیئے ہیں۔“

سبھی چپ..... فضا میں سانپ سونگھ گیا۔ مکمل ناتھ منڈل نے موضوع بدلا۔

”واٹر ریسورسز.....؟“

نہیم الدین کھڑے ہوئے۔ یہ ان کی پہلی میٹنگ تھی۔ ڈی ایم نے تعارف کرایا تو شروانی نے ایک لمحے کے لئے مکمل ناتھ منڈل کی آنکھوں میں جھانکا ”مائی.....“ اور اس نے آنکھوں کی تحریر پڑھ لی۔ لیکن دوسرے نیتا ایک ساتھ بولنے لگے۔

”آپ کے وبھاگ میں بہت گڑبڑ ہے۔“

”ٹھیکہ دار ٹاٹا پائپ بدل کر لوکل پائپ لگاتا ہے۔“

”آپ کا کوئی چا پائل ٹھیک سے کام نہیں کرتا ہے۔“

”آپ کا مستری بھی ایریا میں نہیں گھومتا ہے۔“

”اسٹور میں بھی گڑ بڑی ہے۔“

شروانی سب کا منہ تک رہے تھے۔

”کسم پور میں کتنے چا پائل ہیں.....؟“

شروانی نے ڈائری الٹی۔

”گیارہ سو پچپن۔“

”کتنے بند ہیں؟“

”دو سو دس!“

”کب مرمت کیجئے گا؟“

”فنڈ نہیں ملا۔“

”کب جوائن کیا.....؟“، مکمل ناتھ نے پوچھا۔

”پہلی تاریخ.....“

”میٹنگ کے بعد بھینٹ کیجئے.....“

میٹنگ شام تک چلتی رہی۔ شروانی لنچ کے وقفہ میں اجازت لے کر اٹھ گئے۔ اسمبلی میں پوچھے گئے سوالات کی جوابی

رپورٹ تیار کرنی تھی۔ میٹنگ ہال سے باہر آئے تو مقامی لوگوں نے گھیر لیا۔

”سر.....! میرا چا پائل نہیں گڑا..... سر.....!!“

”سر.....“

شروانی نے سب کی عرضیاں لیں اور کسی طرح پیچھا چھڑا کر جیپ میں بیٹھے۔ دفتر آ کر اسمبلی کی رپورٹ تیار کی

اور شام کو سرکٹ ہاؤس پہنچے۔ مکمل ناتھ منڈل کا دربار لگا ہوا تھا۔ کچھ مقامی افسران بھی موجود تھے۔ مکمل ناتھ

شروانی کو الگ کمرے میں لے گیا۔

”اچھا ہوا کہ آپ کی پوسٹنگ یہاں ہوگئی..... کوئی براہمن یا راجپوت ہوتا تو کام بگڑ جاتا۔“

”شروانی خاموش رہے۔“

”لیکن آپ کا اسٹور کیپر بھومی ہار ہے۔ اس کی جگہ کسی سماجک نیائے والے کو دیتجئے.....“

”یہ ہیڈ کوارٹر سے طے ہوتا ہے۔“

”وہ چور ہے۔ اس نے دو تلمہ مکان بنوایا۔“

”مجھے نہیں معلوم.....“

”آپ تو نئے آئے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم۔ ہم لوگ جانتے ہیں کون کیا ہے.....؟“

آپ چند رکانت سہائی کو اسٹور کیپر بنا دیجئے.....“

”سہائی ورک چارج اسٹیلشمنٹ میں ہے اور یہ جگہ ریگولر اسٹیلشمنٹ کی ہے۔“

”آپ چاہیں تو کر سکتے ہیں.....“

”اس کا اختیار چیف انجیر کو ہے۔ وہی کیڈر بدل سکتے ہیں.....“

”میں ان سے بات کروں گا۔ لیکن آپ اس پر نظر رکھیں ورنہ میں اسٹور میں چھان بین کرا

دوں گا۔“

شروانی خاموش ہو گئے۔

”میرے یہاں گورو دھن پو جا ہے۔ سی ایم آئیں گے.....“

”جی“

”یہ کام سب کے سہیوگ سے ہوتا ہے۔ آپ کل تک بھینٹ کر لیں.....“

”جی اچھی بات ہے.....“ شروانی آداب کرتے ہوئے اٹھ گئے۔ ریش یادو باہر کھڑا تھا۔

اس نے دیکھتے ہی پوچھا۔

”کیا ہوا سر.....؟“

”گورو دھن پو جا ہے۔“ شروانی مسکرائے۔

”ان کے یہاں ہر سال پو جا ہوتی ہے۔ سی ایم بھی آتے ہیں۔“

”کہتے ہیں بھینٹ کیجئے.....“

”کر لیا جائے سر ہم لوگ اڈ جسٹ کر دیں گے.....“

”اما ونٹ.....؟“

”دس ہزار تو دینا ہی پڑے گا۔ ہر سال گھر بھونج بھی کرتے ہیں۔“

”رقم کہاں سے آئے گی.....؟“

”مرمت کے مد میں پیسہ تو ہے.....“

”ریش یادو نے لیج مرمت کے لئے عرضی دی ہے اور پندرہ ہزار روپے طلب کئے۔“

”کیوں؟ پندرہ ہزار کیوں.....؟“

”آفس خرچ کھان پان پٹرول.....“

فہیم الدین شروانی نے عرضی پر لکھا۔

”کیشیر! پلیز پے روپیہز ففٹین تھاؤنڈ فور لیک ریپیئر.....“

☆ ☆ ☆

پٹے اور زنجیر سے فہیم الدین شروانی کا رشتہ عہد طفلی سے ہے.....

دراصل سون پور کے میلے میں نظر جھبریلے پر پڑ گئی.....

جھبریلہ برف کی مانند سفید تھا اور آنکھیں بلور کی طرح چمکیلی.....

شروانی چل گئے..... امی کا آنچل پکڑ کر کھینچا.....

جھبریلہ ان کو بھی بھا گیا..... امی نے جھبریلہ دو ہزار میں خریدا۔

”کیا نام رکھو گے؟“

شروانی ایک لمحے کے لئے سوچا کینے پھر چپک کر بولے

”ٹھی.....“

”اچھا نام رکھا..... ٹھی..... یعنی ٹھف!“

”امی یہ کالے گا تو نہیں.....؟“

”تمہیں کیوں کالے گا.....؟ تم مالک ہو.....!“

”چور کو کالے گا.....!“

”ہاں چور کو.....“ امی ہنس پڑیں۔

میاں شروانی ٹھی کو راستے بھر گود میں لئے رہے..... رہ رہ کر اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے..... ٹھی دم ہلاتا اور گاڑی

کی کھڑکی سے باہر جھانکتا۔ گھر پہنچتے ہی ٹھی نے الٹی کی اور ایک کونے میں پسر گیا۔ امی نے زنجیر کرسی کے پائے سے

باندھ دی۔

گھر میں باپ کا رول اکثر ویلن کا بھی ہوتا ہے..... اس کے ڈوز اور ڈونٹس..... ٹھی کو دیکھ کر ویلن کے ماتھے پر

بل پڑ گئے۔

”کہاں سے آیا.....؟“

سبھی چپ.....!!

”کہاں سے لائے اس کو.....؟“ ویلن چیخا۔

”میلے میں خریدا.....“ امی کسی مجرم کی طرح بولیں۔

”خریدا.....؟ کتنے میں خریدا.....؟“

”دو ہزار میں.....“

”دماغ خراب ہے کیا.....؟“

”بچے کو شوق ہو گیا تو کیا کرتی.....؟“

”ڈا بر مین خریدتی..... بلڈاگ خریدتی..... یہ پامیرین.....؟ ٹکمی ذات.....! یہ گھر کی

حفاظت نہیں کر سکتا.....“

”اب جانے دیجئے۔“

”چپ رہو.....! تمہیں کیا پتہ پیسے کہاں سے آتے ہیں.....؟“

امی باوچی خانے میں گھس گئیں..... میاں شروانی ہوم ورک لے کر بیٹھ گئے۔
ٹٹی غزانے لگا..... ولین مسکرایا۔

”گھر کے مالک کو ہی آنکھیں دکھاتا ہے.....؟“

ٹٹی پھر غزا یا تو ولین کا غصہ بڑھ گیا۔

”نکل.....“ ولین نے چین پلڑ کر کھینچا۔

ٹٹی اڑ گیا..... بچہ فرش پر گڑا لئے.....

”چل نکل.....!“

ولین نے پوری قوت سے زنجیر کھینچی۔ ٹٹی فرش پر گھسٹا گیا اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ ولین نے زنجیر کو پھر جھٹکا
دیا تو پتہ گلے سے کھل گیا۔ زنجیر سے چھوٹے ہی ٹٹی بھاگا اور صوفے کے نیچے گھس گیا۔

”بھاگ کر جائے گا کہاں.....؟“

ولین نے صوفہ کھسکایا۔ ٹٹی دیوان کے نیچے گھس گیا۔ ولین نے ادھر ادھر دیکھا..... ڈنڈا کہیں نہیں ملا..... نظر پر دے
پر پڑی۔ پیلیٹ سے پردہ اتار کر چھڑی باہر کھینچی اور دیوان کے نیچے ٹٹی کو کوچنے لگا۔

”نکل..... نکل..... نکل.....!“

ٹٹی دانت کھسوٹے مسلسل غزا رہا تھا۔ دیوان سے نکل کے کمرے میں گھس گیا۔ وہاں فرنیچر نہیں تھا۔ کہیں چھپنے کی
جگہ نہیں تھی۔ ولین پتہ لے کر آگے بڑھا..... گلے میں پہنانا چاہا کہ ٹٹی نے اچانک ہاتھ میں دانت گڑا دیئے.....
ولین نے فوراً ہاتھ کھینچا..... کلانی پر خراش آگئی۔

”کاٹ لیا سالے نے..... انکشن لینے پڑیں گے.....!“

میاں شروانی بغل میں کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے.....

”سب اس موذی کی بدولت ہوا..... کتا پالے گا.....؟ کمبخت! لے..... پہن پتہ

..... مٹالے شوق!!“ ولین طیش میں آکر پٹہ میاں شروانی کے گلے میں ڈال دیا اور

زنجیر کھینچی.....

”بے ہودہ.....“

”پاجی.....“

پٹہ گلے میں کس گیا..... میاں شروانی کی آنکھیں ابلنے لگیں.....

”کیا کرتے ہیں.....؟“ امی تڑپ کر سامنے آگئیں۔ پٹہ اتار کر پھینکا۔

”دو ہزار پانی میں گئے.....“ ولین چیخا۔

شروانی بلک بلک کر رونے لگے..... امی نے سینے سے لپٹا لیا اور خود بھی رو پڑیں.....

انجکشن لینے کی نوبت نہیں آئی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ سب میں ریبت نہیں ہوتے۔ پامیرین میں تو اور بھی نہیں.....

لیکن کتا رکھنا ہو تو انجکشن لگوانے ہوں گے اور پٹہ بھی ضروری ہے..... کتا مالک اسی کو سمجھتا ہے جس کے ہاتھ میں

زنجیر ہوتی ہے ورنہ پامیرین بھی آزاد ہو کر شیر ہے..... ولین کو فکر ہوئی کہ دو ہزار کیسے وصول ہوں.....؟ وہ

خریدار ڈوہنڈنے لگا۔ لیکن ٹھی کی عمر ڈھائی سال تھی جیسا کہ ڈاکٹر نے بتایا۔ بڑا پامیرین کوئی لینا نہیں چاہتا تھا۔

سبھی پٹہ پسند کرتے تھے۔

ٹھی شروانی سے مانوس ہو گیا۔ وہ زنجیر تھا مے صبح شام اس کو ٹہلاتے۔ ٹھی آگے آگے بھاگتا..... وہ پیچھے پیچھے.....

شروانی جب اسکول سے آتے تو ناگوں سے لپٹ جاتا..... اچھل اچھل کر ان کے رخسار چومنے کی کوشش کرتا.....

شروانی خوش ہو جاتے اور اس کو پرے ہٹاتے ہوئے سُرور میں کہتے.....

”ارے..... ارے..... ارے!“

لیکن ٹھی کی ولین سے ٹھن گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو خشمگین نگاہوں سے گھورتے..... ولین جب کھانے کی میز

پر ہوتا تو ٹھی غڑانے لگتا۔ یہ بات امی کو بھی بری لگتی۔

گوشت ولین کی مرغوب غذا تھی۔ ایک دن وہ بڈی چوس رہا تھا۔ نلی کو منہ میں لے کر اٹی سانس لیتا..... سڑپ..... پھر

الٹ کر دیکھتا کہ گودا کہاں تک آیا.....؟ نلی کو پلیٹ پر بجاتا..... ٹن..... ٹن..... ٹن.....! لیکن گودا نکل نہیں رہا تھا اور

ٹھی زنجیر سے بندھا بھوک رہا تھا.....

ولین جھلا گیا.....

”حرام خور!“

اور چٹل پھینک کر مارا..... ٹھی زور سے اچھلا اس کے گلے کا پٹہ کھل گیا..... وہ بھونکتا ہوا قریب آگیا..... ولین

ڈانینگ ٹیبل پر چڑھ گیا اور زور سے چلایا۔

”پٹہ پہناؤ..... پٹہ پہناؤ.....!“ اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ ٹفی دانٹ

نکالے غرار ہاتھا۔

میاں شروانی پیچھے سے آئے اور چپکے سے گلے میں پٹہ ڈال دیا.....

ویلن کی جان میں جان آئی۔ وہ پھر ٹلی چوسنے بیٹھ گیا۔

”ٹن..... ٹن..... ٹن.....!“

”علاج کرتا ہوں حرام خور.....!“

کھانے کے بعد ویلن نے اسکوٹر نکالی۔ میاں شروانی کوٹھی کے ساتھ بیٹھایا اور مختلف راستوں کے چکر کاٹتا ہوا تقریباً پندرہ کیلومیٹر دور ایک انجان علاقے میں آیا۔ ایک جھاڑی کے قریب اسکوٹر روک کر شروانی سے تحکمانہ لہجے میں بولا

”اتارو.....!“

شروانی نے جیسے ہی ٹفی کو اتارا ویلن نے اسکوٹر بڑھادی۔ ٹفی اسکوٹر کے پیچھے دوڑا۔ ویلن نے رفتار تیز کر دی۔ ٹفی بھی پوری قوت سے دوڑنے لگا..... اسکوٹر کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی..... شروانی مڑ مڑ کر پیچھے دیکھنے لگے..... ٹفی جی جان سے دوڑ رہا تھا..... صرف ایک انچ کا فاصلہ..... ٹفی..... ٹفی..... کاش! اچھل کر گود میں آ جاتا.....!!

پامیرین..... نکمی ذات.....!!

امی نے آنسو پونچھے..... مایا نے بھی دلا سہ دیا۔

”کتنے راستہ پہچانتے ہیں..... ٹفی گھر آ جائے گا.....!“

شروانی بہت دنوں تک ٹفی کو بھول نہیں سکے..... بار بار وہ منظر نگاہوں میں گھومتا..... پیچھے دوڑتا ہوا ٹفی..... محض ایک انچ کے فاصلے پر..... محض ایک انچ..... اچھل کر چڑھ جاتا پادوان پر اور کاٹتا پاؤں میں..... جھج..... باپ رے باپ..... کاٹ لیا سالے نے..... انجکشن لینے پڑیں گے..... انجکشن.....!

پٹہ کس کے گلے میں تھا.....؟ پٹہ والد محترم کے گلے میں تھا جو پسر عزیز کی مدد سے اتر ا اور والد محترم اسکوٹر لے کر

.....

یہ بات مایا نے سمجھائی.....

مایا پڑوس میں رہتی تھی۔ شروانی اس کے منہ بولے بھائی تھے۔ وہ انہیں ہر سال راکھی باندھتی۔ میاں شروانی بھی راز دل بیان کرتے کہ ہوم ورک کیوں نہیں کیا.....؟ کب اسکول میں جھڑکی سنی.....؟ کب ابو سے ڈانٹ سنی؟ امی کے

بعد مایا ہی ایسی ہستی تھی جس سے میاں شروانی کو تقویت ملتی۔ اس کے والد محکمہ تعظیم میں جو نیر افسر تھے۔ وہ ذات کے حجام تھے۔ شروانی کے والد کو اس سے الرجی تھی۔ وہ ان کو ’’رزرو کوٹا‘‘ کا بتاتے تھے۔ ان کو خدشہ تھا کہ پتہ نہیں کب یہ حجام ان کا ڈاکٹر بن کر طعینات ہو جائے۔

نفیم الدین شروانی کو ایک بڑا بھائی بھی تھا..... ’’ڈھان چو‘‘ اور جسیم الدین چڑھتے تھے..... بھلا کیا نام ہوا ڈھان چو.....؟ سید گھرانے میں بھی کہیں ایسے نام ہوتے ہیں..... ایسے نام تو بیک وارڈ کے ہوتے ہیں..... ڈھان چو..... بیلو..... منگو..... پھیکو.....! لیکن نام دادا کا دیا ہوا تھا جسے جسیم الدین بدل نہیں سکتے تھے۔ دراصل شادی کے چار سال بعد بھی جب بہو کی گود ہری نہیں ہوئی تو اس نے ڈھان پیر کے مزار پر چلہ کھینچا..... پیر کے فیض سے امید برآئی۔ دادا نے فوراً پیر کے نام پر بچے کا نام رکھ دیا۔

جسیم الدین کو اپنے اس بیٹے سے چڑھتی۔ ڈھان چو کی شکل بھی دیکھنا ان کو گوارہ نہیں تھا..... کان چھپے..... لونیں مڑی ہوئیں..... دہانہ چھوٹا..... ہونٹ دھنسے ہوئے..... گال پتکے ہوئے اور جبروں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں..... ان کو زیادہ چڑھ اس کی آنکھوں سے تھی۔ ڈھان چو کی آنکھیں دھند بھری تھیں جن میں ادھ مرے خواب کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتے تھے۔

دراصل ڈھان چو کو عجیب و غریب خواب آتے جو سچ ہو جاتے۔ یعنی جو واقعہ خواب میں نظر آتا وہ کہیں نہ کہیں رونما ہوتا۔ مثلاً کھیا کا راجدھانی میں گھوڑے خریدنا.....

ڈھان چو کے خواب میں کھیا کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتا۔ کبھی راجدھانی کے بلند و بالا مینار کے اونچے خانے میں براجمان ہوتا..... کبھی چاندی کے گلاس میں سوم رس پی رہا ہوتا..... کبھی مینار کے درپتے سے جھانک کر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھتا اور نعرہ لگاتا.....

’’ہم غریبی ہٹائیں گے.....‘‘

ڈھان چو کسی کو مخاطب کرتا تو اس کے دھسنے ہوئے ہونٹ چھپکلی کے دہانے کی طرح کھلتے اور ایسا لگتا وہ بول نہیں رہا ہے کھیاں پکڑ رہا ہے۔ وہ مقابل کے نام کو دہراتا تھا۔ مثلاً ابا ابا..... اماں اماں..... بھیا بھیا..... اور جسیم الدین کو کراہیت محسوس ہوتی..... کس طرح کہتا ہے ابا..... ابا..... یہ زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا..... یہ بوجھ ہے..... اس پر خرچ کرنا بے کار ہے.....!

لیکن کبھی کبھی ان کو خوف بھی محسوس ہوتا اور سوچے بغیر نہیں رہتے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے بیٹے کو واقعی کشف ہوتا ہے.....؟ یہ حونق.....؟ اونٹ کے گھٹنے جیسی شکل اس کی.....؟ پیر کے فیض سے تولد ہوا..... کہیں پیر کے وصف تو

نہیں آگئے.....؟

ہوا یہ کہ ایک دن جب دفتر کے لئے نکل رہے تھے تو ڈھان چو نے مکھی پکڑی۔

”ابا..... ابا..... تمہارا بیگ چو ہا کتر گیا.....“

”بے ہودہ!“

جسیم الدین نفرت سے بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اصل میں ان کے پاس ایک پرانا چرمی بیگ تھا جسے لے کر وہ دفتر جاتے تھے اور کچھ فائلیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں چاندی کی طبق لپٹی ہوتی ہے۔ مثلاً اساتذہ کے تبادلے..... مدرسے کی گرانٹ..... فنڈ.....!

وہ دفتر سے گھر آتے تو بیگ کا پیٹ پھولا ہوتا..... اس دن سیکشن افسر نے فائلیں سیدھی ڈائرکٹر کے پاس بڑھادیں۔ وہ چپکا ہوا بیگ لے کر آئے۔

ڈھان چو فہیم الدین سے سات سال بڑا تھا۔ لیکن ان کو بھیابھیا کہتا تھا۔ فہیم الدین بھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کی نظر میں ڈھان چو معصوم اور بے ضرر انسان تھا جس کے لئے حقیقت بد خواب تھی اور بد خواب حقیقت.....

لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ ڈھان چو نے محض بد خواب دیکھے.....

ڈھان چو نے کبھی دھنک کے رنگ والے سپنے بھی دیکھے تھے.....

وہ بچپن کے دن تھے۔ ملک نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ امراؤں میں کونکلیں کوکتی تھیں۔ پرندے چھپاتے تھے اور آنگن میں رنگین پروں والی تتلیاں رقص کرتی تھیں۔ ان دنوں امی لوریاں گاتیں اور پریوں کے قصے سناتیں۔ ڈھان چو نے ایک بات محسوس کی تھی کہ پریوں کی کہانی میں دیو ضرور ہوتا ہے۔ اس نے ایک بار امی سے پوچھا تھا۔

”امی.....! آپ کی کہانی میں دیو کیوں ہوتا ہے.....؟“

امی ہنسنے لگیں تھیں۔ پھر بولی تھیں۔

”شہزادہ بھی تو ہوتا ہے.....!“

”لیکن دیو کیوں ہوتا ہے.....؟“

اس نے اصرار کیا تو امی اس کو لپٹاتی ہوئی بولی تھیں کہ جہاں پری ہوگی وہاں دیو بھی ہوگا اور ایک شہزادہ بھی جو دیو کا خاتمہ کرے گا۔

ڈھان چو کو دیو کے ذکر سے وحشت ہوتی۔ لیکن کوئی شہزادہ جب پری کی مدد کو پہنچ جاتا تو وہ خوش ہوتا۔ اس کا

تجسس اس وقت بڑھ جاتا جب پری شہزادے کو مکھی بنا کر بالوں میں چھپا لیتی۔ جب دیو آتا اور مانس گندھ مانس گندھ کہہ کر نکتھن پھلاتا تو اس کا ننھا سادل خوف سے دھڑکنے لگتا۔ وہ امی کے سینے سے چپک جاتا..... اب کیا ہوگا.....؟ دیو شہزادے کو ڈھونڈ تو نہیں لے گا.....؟ لیکن دیو جلدی گہری نیند سو جاتا تب پری شہزادے کو پھر سے آدمی بنا دیتی اور شہزادہ اس پنجرے تک پہنچ جاتا جہاں طوطے میں دیو کی جان قید ہوتی۔ شہزادہ طوطے کی گردن مروڑتا تو ڈھان چو خوشی سے جھومنے لگتا۔

اس کو ایک کہانی دادا نے بھی سنائی تھی..... ضخاک کی کہانی کہ کس طرح آہن گرنے بھانٹی کا پرچم بنایا اور ظالم بادشاہ کا خاتمہ کیا۔

دادا کو یہی ایک کہانی معلوم تھی جسے وہ کئی بار سنا چکے تھے۔ آخر میں وہ یہ ضرور دہراتے کہ راجہ کا پیٹ بڑھتا ہے تو اس کے کندھوں پر سانپ اُگ آتے ہیں اور آدمی کا سر مانگتے ہیں اور پھر اچانک اس کو بازوؤں سے پکڑ کر معلق اٹھا لیتے اور گرج گرج کر کہتے.....

”اور تب لہراتا ہے درش کا ویانی..... درش کا ویانی..... درش کا ویانی.....“

اور وہ اسی طرح اس کو ہوا میں معلق اٹھائے گول گول گھومتے اور درش کا ویانی..... درش کا ویانی..... کی تکرار کرتے۔ یہاں تک کہ ڈھان چو کے بازو دکھنے لگتے.....

دراصل دادا آزاد ہند کے سپاہی تھے۔ آزادی کی تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ حصہ لیا تھا۔ اس کو وہ دن یاد تھا جب شہر میں آزادی کا جشن منایا گیا تھا۔ شہر دہن کی طرح سجا تھا۔ گلی گلی میں شادیاں بچے تھے دادا نے لمبی سی پگڑی باندھی تھی اور لہک لہک کر قومی گیت گائے تھے۔ اس دن اس نے بھر پیٹ میٹھائی کھائی تھی اور گاؤ خانے کے بچھڑے کی طرح خوب اچھلا کودا تھا۔

ڈھان چو نے اس رات ایک حسین خواب دیکھا تھا۔

ایک خوب صورت پری زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔ دادا تلوار لہراتے ہوئے آئے۔

پری کی بیڑیاں کاٹیں۔ اس کو ریشم سے ملبس کیا۔ ہاتھوں میں کنگن پہنائے۔ گلے میں طوق ڈالا۔ ناک میں نتھ اور کانوں میں جالیاں پہنائیں اور ایک سنہرا تاج سر پر رکھا اور ہاتھ میں سونے کی چھڑی دی۔ پری گھر گھر جھانکنے لگی۔ سب کو باری باری چھڑی سے چھوتی۔ ڈھان چو نے دیکھا گاؤں میں کوئی غریب نہیں ہے۔ بچے کلاکاریاں بھر رہے ہیں۔ عورتیں ہنس رہی ہیں۔ آدمی بے خوف ہے۔

ڈھان چو نے یہ خواب دادا کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ دادا نے اس کو معلق ہوا میں اٹھالیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنی گرجدار آواز میں بولے۔

”آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا۔“

اور عادت کے مطابق اس کو بانہوں میں اٹھائے گول گول گھوما کئیے اور ان کی گرجدار آواز گونجا کی ”آفتاب تازہ..... آفتاب تازہ.....“

ان دنوں ڈھان چو کے پڑوس میں ایک لڑکی رہا کرتی تھی۔ ڈھان چو کو وہ پری لگتی تھی۔ اسی طرح اس کے بال سنہرے تھے..... ہونٹ سرخ سرخ..... دانت موتیوں کی طرح سپید..... دونوں امرا نیوں میں گھومتے..... کوئل کوکتی تو اس کی نقل کرتے اور تیلیوں کے پیچھے بھاگتے۔ امی دونوں کو ساتھ دیکھ کر خوش ہوتیں۔ ان دنوں ڈھان چو نے ایک خواب دیکھا تھا۔

تاروں بھری رات ہے۔ چاند آسمان کے وسط میں لہک رہا ہے۔ وہ ندی کے کنارے پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ کسی نے دے پاؤں آکر اس کی آنکھیں موند لی ہیں۔ اس نے مُرد کر دیکھا۔ وہی لڑکی تھی۔ اس کو پنکھ تھے اور ہاتھ میں سونے کی چھڑی۔ لڑکی نے اسے چھو دیا۔ اس کے کپڑے سنہرے ہو گئے۔ وہ ایک شہزادے میں بدل گیا۔ دونوں امرا نیوں میں بھاگے اور دوڑتے دوڑتے تیلیوں میں تبدیل ہو گئے.....

ڈھان چو نے اپنا خواب امی کو سنایا تو وہ خوب ہنس پھر اس کے چہرے کا دونوں ہاتھوں سے کٹورہ سا بنایا اور منہ چوم کر بولیں۔

”تو بڑا ہو گا تو تجھے اس سے بیاہ دوں گی.....“

”دھت.....!“ وہ شرما کر امرا نیوں میں بھاگا تھا۔

ڈھان چو نے جو خواب دیکھا وہاں دیونہیں تھا لیکن جہاں پری ہوتی ہے وہاں دیوبھی ہوتے ہیں۔ ایک دن اچانک لڑکی کی لاش گاؤں کے تالاب میں ملی۔ اس دن دیوالی تھی۔ اتنا معلوم ہوا کہ کھیا کی حویلی سے ایک گرگٹ سرسراتا ہوا نکلا اور چٹ سے تتلی پکڑ لی.....

سینے میں جب چوری ہوتے ہیں تو دل کے مقام میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ ڈھان چو کے ننھے سے دل میں سوراخ ہو گیا جو وقت کے ساتھ پھیلتا گیا.....! ڈھان چو کی آنکھوں میں دھند بھرتی گئی۔ اس کو عجیب و غریب خواب آنے لگے اور ایک دن یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس مدت میں وہ پری جسے دادا نے دھنک رنگ لباس سے ملبس کیا اٹھائی گیرے سے ہم بستر ہوئی۔ اس دن ڈھان چو نیند میں زور سے چلایا۔

”کیا تجھے اسی دن کے لئے آراستہ کیا کہ بازار میں گنبد بنالے اور چورا چکوں کے لئے ٹانگیں پسارے..... تو ملعون ہوئی..... ہم تیری لعنت جھیلنے پر مجبور ہوئے۔“

﴿ ۲ ﴾

محبوبہ جو بیوی نہیں بن پاتی ہے اکثر داشتہ بن جاتی ہے۔
ایم ال اے جو منسٹر نہیں ہو پاتے سمیتی کے ممبر بنا دیئے جاتے.....
اور فہیم الدین شروانی کو ودھان سبھا اور ودھان پریشد کی سمیتیاں کچھ ایسی ہی لگتی تھیں۔ وہی خلخال کی زیبائش
..... وہی جالیاں وہی چاند بنگلہ موٹر اور حفاظتی دستہ! اقتدار میں ان کی اسی طرح حصہ داری تھی جیسی
داشتاؤں کی موروثی جائیداد میں ہوتی ہے۔
سمیتیاں رنگ برنگ کی تھیں۔ لوگ لیکھا سمیتی پراکھن سمیتی نویدن سمیتی دھیان آکرشن سمیتی پاچیکا سمیتی
..... پنچائیت سمیتی جن کلیاں سمیتی اپکرن سمیتی گندی بستی سمیتی سکھ سویدھا سمیتی پریاورن سمیتی کیندر
سہائے سمیتی آترک سنسا دھن سمیتی
سمیتی کی بھی اُپ سمیتیاں تھیں اُپ سمیتی ایک اُپ سمیتی دو تین چار!
سمیتی کا کام تھا مقامی افسروں کے ساتھ اختلاط اس کے اختیارات وسیع تھے۔ یہ کسی بھی افسر سے اس کے
کاموں کا لیکھا جو کھا مانگ سکتی تھی۔ سمیتی کی شکایتی رپورٹ پر افسروں کے جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ سمیتی ناز
رفکار کے ساتھ اسٹیٹ کا دورہ کرتی ایک دن میں چھ سو کیلومیٹر کا سفر اور سولہ نشستیں آٹھ روپے فی
کیلومیٹر بھرتہ ملتا اور اسٹیٹ کے باہر دس روپے فی کیلومیٹر پچھلے دنوں ودھان سبھا کی نویدن سمیتی کی اُپ سمیتی ۲
مہاراشٹر اور گوا کے دورے پر تھی۔ سمیتی نے بھابھا اؤنسندھان سنسنتھان ٹائما میموریل اسپتال اور انڈین کینسر انسٹی
ٹیوٹ کا معاینہ فقط پندرہ منٹ میں کر لیا تھا اور پندرہ دنوں میں پانچ ہزار چھ سو اسی کیلومیٹر کا سفر طے ہوا تھا۔ جن
کلیان سمیتی اٹھارہ اپریل کو جہانگیری آئی اور لوٹ گئی لیکن تین ہزار پانچ سو کیلومیٹر کا سفر ”طے“ ہوا۔
سمیتی کا قیام ہمیشہ سرکٹ ہاؤس میں ہوتا اور ضیافتیں کسی محکمہ کے سر سمیتی جانے لگتی تو بہ طور نذرانہ ایک ہزار
کی رقم کا مطالبہ کرتی۔ شروانی اس کو رنگ داری ٹیکس کہتے تھے جو سبھی دیتے۔ اس سے معاملہ ٹھیک ٹھاک رہتا۔
ترقیاتی رپورٹ پر سمیتی چوں چرا نہیں کرتی تھی۔ سائبرٹ اسپیکشن میں بھی جاتی تو مین میخ نہیں نکالتی۔ کسی افسر
کے خلاف عرضی پڑ جاتی تو سمیتی مزید ٹیکس لیتی۔ پچھلی بار جن کلیان پدا دھیکاری پھنس گئے تھے۔ کسی نے

شکایت درج کرائی تھی کہ ہریجن لڑکوں کو جو اسکا لرشپ ملتی ہے اس میں پانچ روپے کم دیئے جاتے ہیں اور دستخط پوری رقم پر لی جاتی ہے۔ سمیتی معاملے کی جانچ کرنا چاہتی تھی لیکن پدادھیکاری مہودئے نے فوراً چیرمین صاحب سے بھینٹ کر لیا تھا۔

اور فہیم اللہین شروانی جھنجھلا گئے..... فیکس موصول ہوا کہ دھیان آکرشن سمیتی کی اُپ سمیتی ۲ آرہی ہے۔ ڈی ڈی سی کا بھی فون آگیا کہ اس بار ضیافتیں ان کے سر ہیں..... شروانی نے حساب لگایا..... چیرمین..... ڈپٹی سیکریٹری..... دوایم ال اے..... اسٹونو..... حفاظتی دستہ..... ڈرائیور..... حالی محالی..... تقریباً بیس آدمیوں کی ضیافت اور گاڑیوں میں پیٹرول..... گویا دس ہزار کا خرچ.....!

اس بار رمیش یادو نے پمپ چیمبر کی مرمت کا کام دکھایا۔ شروانی ترقیاتی رپورٹ تیار کرنے میں لگ گئے۔ اس دن ایک سیاہ فام آدمی دھڑ دھڑاتا ہوا ان کے چیمبر میں گھسا۔

”آئی ایم رام چرترپاسبان پی اے ٹو چیرمین دھیان آکرشن سمیتی.....!“ شروانی نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ اس کا گرتہ جیب کے پاس پھٹا ہوا تھا اور کالر اندر کی طرف مڑا ہوا..... اوپر کے دو تین بٹن کھلے ہوئے تھے اور کرتے کے پیچھے سے اس کی میلی بنیان جھانک رہی تھی۔

”میں چیرمین کا پی اے ہوں۔“ اس نے اپنی بات دہرائی۔

”فرمائیے!“

”کر پی چک میں چا پائل کا جو پلیٹ فارم بنا ہے اس میں چھڑکی ماترا بہت کم ہے۔“

”میں جانچ کروں گا۔“

”جانچ تو سمیتی بھی کرے گی۔“

”کر سکتی ہے۔“ شروانی کا لہجہ خشک ہو گیا۔

”سمیتی پلیٹ فارم تڑوا کر دیکھے گی۔“

شروانی نے اس کو غور سے دیکھا۔ اس کے ہونٹ پر پھپھوندی جی ہوئی تھی۔

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ شروانی ترش لہجے میں بولے۔

رمیش یادو چیمبر میں داخل ہوا۔

”پرنام سر!“ اس نے ہاتھ جوڑ کر رمیش یادو کو پرنام کیا۔

”یہاں کیا کر رہے ہیں مہاراج.....؟“

”صاحب سے بھینٹ کے لئے آیا تھا.....!“ وہ مسکرایا۔ پھر اس نے جیب سے ایک مڑاڑا سا کاغذ نکالا۔

”چاپاٹل کے لئے عرضی ہے۔ کہاں دے دوں.....؟“
”آفس میں دے دیجئے.....“

وہ درخواست دینے اندر گیا تو شروانی رمیش یادو سے مخاطب ہوئے۔

”خود کو چمن لال چنچل کا پی اے بتاتا ہے.....“

”لفند رہے سالہ..... میں اس کو جانتا ہوں۔“

”ہے کہاں کا.....؟“

”چمن لال چنچل کے گاؤں کا ہے۔ ان کا جھاڑو برتن کرتا ہے۔“

”قاضی کے گھر کا چوہا بھی قاضی ہوتا ہے۔“ شروانی ہنسنے لگے۔

”ان کے گاؤں کا ہر آدمی پی اے ہے اور سب سالہ کچھ نہ کچھ ڈیمانڈ کرتا ہے۔“

رام چرترپاسبان عرضی دے کر پھر چیمبر میں آیا۔

”تتی، ہم لوگ پر بھی دھیان دیں سر..... ہم لوگ سماجک نیائے والے ہیں۔“

”ضرور.....“ شروانی مسکرائے۔

”اب دیکھئے نہ..... کرتے ہی پھٹا ہوا ہے.....“ اس نے ہنستے ہوئے جیب کی طرف اشارہ کیا

۔ شروانی نے ایک لمحے کے لئے اس کو غور سے دیکھا پھر بولے۔

”شام کے وقت آئیے۔“

”بہت اچھا سر.....! پرنام.....!“

”پرنام!“

شروانی کو بیچ تنتری کی کہانی یاد آگئی تھی۔

ایک ڈوم تھا۔ وہ راجہ کے خواب گاہ میں جھاڑو لگاتا تھا۔ ایک بار منتری نے گھر بھوج کیا۔ اس نے سب کو پوچھا

ڈوم کو نہیں پوچھا۔ ڈوم بن بلائے منتری کے گھر پہنچ گیا۔ منتری کو بہت غصہ آیا۔ اس نے ڈوم کو دھکے مار کر نکال دیا

۔ ڈوم نے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ ایک دن راجہ کے خواب گاہ میں صبح صبح جھاڑو لگاتے ہوئے بڑبڑایا۔ ”ہے ہے ہے

..... رانی منتری سے پھنسی ہوئی ہے.....“ راجہ نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔ وہ منتری سے بددل ہو گیا۔ منتری عقل

مند تھا۔ سمجھ گیا ڈوم کی کارستانی ہے کہ وہ راجہ کے خواب گاہ میں جھاڑو لگاتا ہے۔ منتری نے ڈوم کو بھر پیٹ بھوجن

کرایا۔ ڈوم خوش ہو گیا۔ دوسرے دن جھاڑو لگاتے ہوئے وہ پھر بڑبڑایا ”ہے ہے ہے..... راجہ شو چالیہ میں کلڑی

”کھاتا ہے.....“

راجہ نے ڈوم کی گردن پکڑ لی ”کیا بکتا ہے مردود.....؟“

”چھما کیجئے مہالی.....! مجھے بڑبڑانے کی عادت ہے..... پتہ نہیں کیا واہی بتا ہی بکتا ہوں

.....“ راجہ سمجھ گیا کہ رانی والی بات بھی جھوٹی تھی۔ وہ منتری پر پھر مہربان ہو گیا۔

شروانی نے اس دن کھادی جھنڈا سے ایک جوڑا کرتہ پائیجامہ منگوا لیا۔ رمیش یادو نے حیرت ظاہر کی۔

”اس کی کیا ضرورت تھی سر.....؟“

شروانی کے ہونٹوں پر ہڈاسرا مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اس کی پہنچ بیڈروم تک ہے..... کہیں شو چالیہ میں کٹڑی نہ کھلائے.....!“

دوسرے دن شروانی سرکٹ ہاؤس پہنچے تو رام چتر پاسبان نے دور سے ہی زوردار سلام ٹھوکا۔

وردی کا اثر ہے..... شروانی سوچ کر مسکرائے۔

کچھ کھدر دھاری لابی میں جمع تھے۔ رام چتر پاسبان مقامی لوگوں سے عرضی مانگ کر جمع کر رہا تھا۔ شروانی کے قریب

آ کر بولا۔

”سر.....! آپ کا معاملہ ایک دم فٹ ہے۔“

”وہ کیسے.....؟“

”چیرمین صاحب کو میں نے بتایا کہ آپ اپنے ہی آدمی ہیں.....“

”آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا لیکن بینک منیجر صاحب گھیرے میں ہوں گے.....“

”وہ کیوں.....؟“

”لالہ ہیں اور خالی لالہ کا کام کرتے ہیں۔ دیکھئے! ان کے خلاف اتنی عرضیاں ہیں؟“

”یہ جتنا لکھی ہیں یا آپ نے لکھوایا ہے.....؟“

رام چتر ہنسنے لگا۔

”لیکن یہاں کابی ڈی او بھی تو لالہ ہے.....؟“

”وہ چیرمین صاحب سے بھینٹ کرتے رہتے ہیں۔“

”یعنی چیرمین چنگا تو کھوتی میں لنگا.....؟“

”اب دریا میں رہ کر کوئی مگر مجھ سے بیرو نہیں کر سکتا۔“

”جہاں سبھی مگر مجھ ہوں وہاں کیا بیر.....؟“

پھر وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

”سکریٹری صاحب سے بھیٹ کر لیجئے اور رپورٹ بھی ان کو دے دیجئے.....“

”یعنی چھوٹا مگر مجھ.....؟“

”ہا..... ہا..... ہا.....“

کچھ افسر ”بھینٹ“ کے لئے سکریٹری کے کمرے میں خود جا رہے تھے، شروانی نے اسٹنٹ انجیر کیلاش رائے کو اشارہ کیا اور میٹنگ ہال کی طرف بڑھ گئے۔

سمیتی تین ایم اے پر مشتمل تھی۔ ساتھ میں ایک خاتون بھی تھیں۔ خاتون نامزد ممبر تھیں۔ ان کا حسن سلوٹا تھا۔ ہونٹ جامنی تھے اور رخساروں پر پیشانی کے قریب پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جمع تھیں۔ وہ بار بار اپنے ہونٹ بھیج رہی تھیں جس سے ہونٹوں کی بالائی سطح بھیگی بھیگی لگ رہی تھی۔ لیکن جس منظر نے فہیم الدین شروانی کو بے چین کیا وہ تھا خاتون کے شانوں سے آنچل کا بار بار سرک جانا..... اور پھر ادائے خاص سے اسے سنبھال لینا..... رہ رہ کر شروانی کی نظراس طرف چلی جاتی۔ ایک باردونوں کی نگاہیں ملیں..... خاتون نے جھک کر ساری کا پانچہ درست کیا..... آنچل پھر ڈھلک گیا جسے انہوں نے فوراً نہیں سنبھالا..... ایک بار گردن جھکا کر ڈھلکا ہوا آنچل دیکھا اور ہونٹ بھیجے جس سے بالائی سطح کچھ اور بھیگ گئی اور شروانی کو لگا جیسے وہ ندی کنارے گیلی ریت پر کھڑے ہیں..... گاج واقعی بینک کے منیجر پر گری۔ چمن لال چنچل نے سوالوں کی بوچھا کر دی اور عرضیوں کا پلندہ دکھایا۔

”آپ دلت اور پچھڑی جاتی کا کام نہیں کرتے ہیں..... دیکھئے..... آپ کے خلاف اتنی عرضیاں.....؟“

منیجر چپ رہا۔

”انکو آری سٹاپ کرادوں.....؟“

دوسرے افسروں کی بھی تھوڑی بہت کھینچائی ہوئی۔ لیکن آرای او کے ایگزیکٹو انجیر نشانہ بنے۔ طے ہوا کہ سمیتی اگلے دن سائٹ انسپکشن کرے گی۔ شروانی سے کچھ پوچھا نہیں گیا۔ ہدایت ملی کہ میٹنگ کے بعد ملیں۔

میٹنگ کے بعد شروانی چیرمین کے کمرے میں گئے تو خاتون موجود تھیں۔

”ایک سمیا ہے انجیر صاحب.....!“ چمن لال چنچل ان سے مخاطب ہوا۔

”سر.....“

”میڈم کے فلیٹ میں پانی نہیں ملتا ہے۔“ چنچل نے خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

”میرے آنگن میں چا پائل لگا ہوا ہے۔ میں اس کا پانی چھت پر چڑھانا چاہتی ہوں۔“

خاتون شروانی سے پہلی بار مخاطب ہوئیں۔

”میں دیکھ لوں گا۔ آپ پیٹ نوٹ کرادیں۔“

”۳۷ پیٹ وردھن روڈ..... آپ انسپیکشن کر لیں.....!“

شروانی نے پیٹ نوٹ کیا اور آداب کہتے ہوئے باہر آئے

گویا دس ہزار کا مزید خرچ..... شروانی نے سوچا..... کم سے کم ہاف ایجنسی کا پمپ لگے گا اور پائپ الگ.....

”میٹنگ کیسی رہی سر.....؟“ رام چترپاسبان نے پوچھا۔

”آپ نے معاملہ پہلے ہی فٹ کر دیا تھا.....!“

خاتون کمرے سے باہر آئیں۔ شروانی ادھر دیکھے بغیر نہیں رہ سکے۔ شروانی کو ان کی چال میں موسیقی کا احساس ہوا۔

کولہوں میں مدھم مدھم سی تھرکن اور شاخ گل کی طرح آہستہ آہستہ ہلتی ہوئی کمر.....

”یہ کون ہیں.....؟“

رام چتر نے انگلیوں سے دائرہ سانبایا..... ایک آنکھ دبائی اور فس کر بولا

”تھنیاں پہ گولی مارے.....!“

☆ ☆ ☆

سرکاری دفاتروں کا ”سماج وادی“ ہے.....!

منسٹر سے لے کر چراسی تک سبھی ایک ڈور سے بندھے ہیں جس کی کھنک نفرتی ہے۔ یہ بالترتیب سب کے حصے میں

آتی ہے۔ نفرتی کھنک میں اگر فرق آتا ہے تو بندھن ٹوٹنے لگتے ہیں..... رشتوں میں تناؤ پیدا ہوتا ہے..... ایک

دوسرے پر الزام عائد ہوتے ہیں..... تھانے میں سانحہ درج کرانے کی نوبت آتی ہے۔

فہیم الدین شروانی کا اصول تھا جو آسانی سے ملے لو..... زیادہ باتھ پاؤں نہیں مارو..... پھنس جاؤ گے..... جیسے

پشوپالن والے پھنس گئے کہ اسکوٹر پر بھینس ڈھوتے تھے..... یہ حماقت ہے..... بھینس ہمیشہ ٹرک پر ڈھونا چاہئے.....

ڈھلائی کا در بڑھا سکتے ہو یوں بھی سرکاری کام دگنے خرچ پر ہوتے ہیں۔ سو روپے کا کام چار سو میں ہو سکتا ہے لیکن

ایسا نہیں کہ کام ہوا نہیں اور بل بن گیا۔ جانچ ہوگی تو انکو انری افسر بھی لگا..... جو کمایا اس کی نذر ہو گیا۔

شروانی سے کوئی شکایت کرتا کہ مستری چا پائل کے پرزے بیچ رہا ہے تو وہ مسکراتے.....

”یہ نہیں دیکھو کہ مستری کیا بیچ رہا ہے..... یہ دیکھو وہ کیا لگا رہا ہے.....؟ وہ اگر ایک پرزہ بیچتا ہے اور دوسرا لگاتا ہے

تو وہ کام کر رہا ہوتا ہے.....!“

شروانی کے نزدیک ایمان دار وہ ہے جو پیسے لے کر کام کر دیتا ہے..... جو پیسے بھی لے اور کام نہیں کرے وہ بے

ایمان ہے..... ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا چاہئے..... لیکن رمیش یادو نے انہیں ال بائی تھری کا فارمولا دیا تو وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکے.....

دراصل گاؤں میں واٹر سپلائی اسکیم ہر جگہ بیمار پڑی تھی۔ بجلی نہیں رہتی تھی جس سے پمپ نہیں چلتا تھا اور کہیں ٹل میں پانی میسر نہیں تھا۔ تنگ آ کر لوگوں نے جگہ جگہ سے پائپ اکھاڑ لئے تھے۔ سارا زور چا پائل پر تھا۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں چا پائلوں کی تعمیر ہوتی اور ہر سال ان کی مرمت بھی ہوتی۔ محکمے کے افسر کو اختیار نہیں تھا کہ جہاں چاہے نلوں کی تعمیر کرائے اور جسے چاہے مرمت کرائے۔ سیاسی نمائندے یہ فیصلہ کرتے کہ ٹل کہاں لگیں گے۔ ابھی بھی کچھ گاؤں ایسے تھے جہاں ایک بھی سرکاری ٹل نہیں تھا۔ یہ وہی گاؤں تھے جہاں ایم ال اے کا کوئی ووٹر نہیں تھا۔

ایسے چا پائل جن کی جالی کچھ دنوں میں جام ہو جاتی تھی بے کار ہو جاتے تھے۔ انہیں اکھاڑ کر از سر نو لگایا جاتا تھا۔ اکثر پائپ بھی بدلنا پڑتا۔ ماہ اپریل میں ہر سال بند چا پائلوں کی فہرست بنائی جاتی۔ فہرست کے مطابق ہی سالوں بھر مرمت کا کام ہوتا۔

رمیش یادو نے کرپٹی چک میں بند نلوں کی جو فہرست دی اس میں سو کی تعداد ایسے نلوں کی تھی جو چالو تھے لیکن گزشتہ دو سالوں سے بند کی فہرست میں تھے۔ رمیش یادو چاہتا تھا پہلے ان کی مرمت کا بل بنائے..... ایک چا پائل کی مرمت کا تخمینہ پانچ ہزار تھا..... گویا سو نلوں کی مرمت کی رقم پانچ لاکھ ہوئی جس کا ال بائی تھری..... یعنی ایک آدمی کے حصے میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار.....

”اس میں رسک ہے.....“

”کوئی رسک نہیں ہے سر..... فہرست تو پہلے سے بنی ہوئی ہے اور ہیڈ کوارٹر میں بھی درج ہے.....“ اسسٹنٹ انجینئر نے سمجھایا۔

”خرچ بہت ہے سر..... ایم ال اے..... ایم پی..... منسٹر.....!“

شروانی نے اور جگہوں کی بھی فہرست چیک کی۔ یہ معاملہ ہر جگہ نہیں تھا۔

اس وقت ایک فلیکس موصول ہوا، ”کھمتری حسن گنج جل مینار کا شلانیاس کریں گے..... ۴ ستمبر بہ وقت دس بجے دن.....“

شروانی حیران ہوئے۔ حسن گنج میں کوئی واٹر سپلائی اسکیم نہیں تھی..... پھر یہ ٹاور کہاں سے آگیا.....؟ کیسا جل مینار.....؟ آخر کہاں ہوگا شلانیاس..... کس زمین پر.....؟

شروانی نے دفتر میں معلوم کیا کہ ایسی کوئی اسکیم بن کر گئی تھی یا نہیں..... جواب میں نفی ملا۔ ہیڈ کوارٹر فون لگایا۔ وہاں

بھی لاعلمی ظاہر کی گئی۔ رمیش یادو نے کہا کہ بات سی ایم کی ہے۔ شلانیاس کے لئے چاندی کی کھرپی اور کڑھائی ضروری ہے۔ ان کے ساتھ قافلہ ہوگا اور حسن گنج مکیش درپن کا نرواچن چھتر بھی ہے..... کم سے کم دوسو آدمیوں کا بھوج..... پچاس ہزار روپے خرچ ہوں گے.....!

شروانی چڑھ گئے..... سال.....! ہمیشہ گودا نکالنے کے چکر میں رہتا ہے..... ٹن ٹن سڑپ..... بہانہ ملا نہیں کہ پیشگی رقم کی عرضی دی.....!

”سی ایم کس ٹاور کا شلانیاس کریں گے.....؟ کیا زمین دیکھی گئی.....؟ فاؤنڈیشن کا ڈیزائن ہو گیا.....؟ آخر چاندی کی کھرپی سے سیمنٹ اور گٹی کہاں گرائیں گے.....؟“

کیلاش رائے نے مشورہ دیا کہ ڈی ایم سے بات کی جائے..... وہ سی ایم کے نزدیک ہیں.....! شروانی کو مشورہ معقول لگا۔ وہ ڈی ایم سے ملنے اس کی کوٹھی پر گئے.....!

لفظوں کی بھی اپنی کیفیت ہوتی ہے.....

دھا کڑ..... دگج..... دھندر..... دقاق.....!

یہ الفاظ جس کیفیت کو جنم دیتے ہیں ڈی ایم کی شخصیت وہی احساس جگاتی ہے.....! وہ دھا کڑ ہے..... دگج ہے..... دھندر ہے..... دقاق ہے.....!

سی ایم سے اس کا سیدھا رابطہ ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ ان سے بھینٹ کرتا رہتا ہے اور سیاست دانوں کو خاطر میں نہیں لاتا.....!

جہان نگری میں ترقیاتی کاموں کے لئے فنڈ ملتے ہی رہتے ہیں۔ یوں بھی یہ علاقہ دہشت گردی سے متاثر ہے۔ اس لئے نئی نئی اسکیم منظور ہوتی رہتی ہے۔ ڈی ایم نے ترقیاتی کاموں کا جال بچھا رکھا ہے..... اسکول بھون..... پنچائت بھون..... اندرا آواس..... سینٹری ویل..... پوکھرا..... ٹیوب ول..... پلیا..... چھلکا..... سڑک..... وہ ٹھیکہ داروں سے کام نہیں لیتا..... سبھی کام محکمے کی سطح پر ہوتے ہیں..... جو نیر انجیر..... وی ایل ڈبلو..... مکھیا..... سر پنچ..... بی ڈی او..... اس ڈی او..... سی او..... ڈی ڈی سی..... سبھی کی زنجیر اس کے ہاتھ میں ہے اور زنجیر کی کھنک نقرئی ہے.....

الائمنٹ..... دو پرسنٹ

سپلائی..... دس پرسنٹ

ڈپارٹمنٹل ورک..... دس پرسنٹ

وہ کہیں بی ڈی او سے سی او کا کام لیتا ہے کہیں سی او سے بی ڈی او کا..... اسکول کی چھت گری تو اس نے جوئیر انجینئر کو بند کر دیا۔ پلیا ٹوٹ گئی تو آرای او کے ایکڑ کیٹیو انجینئر گھیرے میں آ گئے۔ پوکھر اسوکھ گیا تو بی ڈی او کو نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن ڈی ایم غیر مفتوح ہے..... اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ سا کچھرتا ابھیان میں اس سال دو کروڑ روپے ملے ہیں۔ ڈی ایم نے پچیس لاکھ کی سلیٹ خریدی ہے۔ وہ گھر گھر سلیٹ بٹوائے گا..... چٹائی اور لائین بھی..... ڈی ایم بھاشن بھی زوردار کرتا ہے۔

”گرارمین بھائیو!

یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ جو آدمی پڑھا لکھا نہیں ہے وہ بیوقوف ہے۔ نہ کچھ بھی گیانی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ سماج کے زمان میں سہا یک ہو۔ آپ کے پاس سوچنے کی صلاحیت ہے۔ فیصلہ کرنے کی سوجھ بوجھ ہے۔ آپ میں ایک ہی بات کی کمی ہے وہ ہے اکچھر گیان..... غریب اور کمزور طبقہ کے لئے چلائے جارہے پروگرام اس لئے بھی ناکام ہو جاتے ہیں کہ غریبوں کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے بھائیو! یہ ضروری ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا سیکھیں!.....“

کملیش درپن کو اسی بات سے چڑھ ہے..... سالے! نیتا کیوں بننے ہو.....؟ افسر ہو..... افسر رہو.....!

کملیش درپن.....!

لومڑ..... گھامڑ..... ٹھیکھر..... بلوبھس.....!

کملیش درپن پہلے ٹھیکہ دار تھا۔ وہ کرچٹ ڈیم میں مٹی بھرائی کا کام کرتا تھا۔ اچانک سیاست میں آکودا اور حسن گنج سے ایم ایل اے منتخب ہوا۔ ڈی ایم پہلے ایم ڈی تھا..... چمڑاوکاس گم کا مینجنگ ڈائریکٹر.....! ان دنوں کملیش درپن چمڑاوکاس گم کا چیرمین تھا..... وہ ڈی ایم سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ فرمائش کرتا رہتا تھا۔ کمبل، چادر، نکیہ، بالٹی، کھانے کے برتن، کراکری..... ایم ڈی عاجز تھا۔ چیرمین کو اس بات کا قلق تھا کہ وہ ودیش نہیں جاسکا۔ اسٹیٹ میں ایک سوئیس منتری تھے۔ آدھے سے زیادہ ودیش کا دورہ کرچکے تھے۔ چیرمین کو خدشہ تھا کہ اگر سرکار الٹ گئی تو موقع نہیں ملے گا۔ وہ امریکہ کے تجارتی میلے میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس نے ٹی اے کی پیشگی رقم مانگی لیکن قانون اجازت نہیں دیتا تھا۔ ڈی ایم نے کھونچڑ لگایا اور چیرمین نے تھپڑ لگایا۔ ڈی ایم بھی تھادھا کڑ..... اس نے چیرمین کے بال پکڑے اور جوتے سے پٹائی کر دی۔ ایم ڈی کا کہنا ہے کہ اس نے چیرمین کو چیرمین کے جوتے سے پیٹا۔ دراصل چیرمین ان دنوں وکاس گم کے جوتے پہنتا تھا اور سودیشی مال پر زور دیتا تھا۔

اس مارپیٹ کو لے کر کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس واقعہ کو سیاسی رنگ دینا مشکل تھا۔ چیرمین ذات کا ملاح تھا..... ایم ڈی بھی ملاح تھا۔ ملاح نے ملاح کو پیٹا..... بیک وارڈ نے بیک وارڈ کو..... اعلیٰ کمان خوب ہنسے..... جات ہی جات کا دشمن ہے رے بھیتا..... ہو..... ہو..... ہو.....!

ایم ڈی کا تبادلہ ہو گیا۔ وہ جہان نگری کا ڈی ایم ہو گیا۔ مکلیش درپن خوش نہیں ہوا۔ اس کا انتخابی حلقہ جہان نگری میں پڑتا تھا۔ ایسے ڈی ایم کو وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اس کا وہاں سے تبادلہ ہو لیکن مکلیش درپن وروڈھی دل کا تھا۔ سی ایم نے ایک نہیں سنی۔

ایک بار پھر دونوں میں بھڑنت ہوئی.....

جہان نگری کے وارڈ نمبر سولہ کی سڑک بن کر تیا ہوئی۔ یہ کام ضلع وکاس یو جنا سے ہوا تھا۔ اس میں ایم ال اے کوٹا کا دخل نہیں تھا۔ یہ سڑک وارڈ نمبر سولہ کو اسپتال سے جوڑتی تھی۔ ڈی ایم سڑک کا اڈگھاٹن کرنا چاہتا تھا۔ مکلیش درپن کو یہ منظور نہیں تھا۔ یہ کام وہ خود کرنا چاہتا تھا۔ سیاسی رہنما کا یہ حق ہے۔ اسکول کالج سڑک اسپتال کا سنگ بنیاد رکھنا یا نقاب کشائی کرنا۔ اس طرح یہ عوام کو نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن ڈی ایم نے کارڈ پر اپنا نام چھپوایا اور نقاب کشائی کر دی۔ مکلیش درپن کو معلوم ہوا تو دل بل کے ساتھ پہنچا۔ ساتھ میں ایم سی سی کے جوان بھی تھے۔ ہاتھ میں اے کے ۴ رائیفلیں بھی تھیں۔ ڈی ایم اس وقت سکیورٹی فورس کے ساتھ واپس اپنی کٹھی پر آ گیا تھا.....

بھیڑ نے صلیب اکھاڑ پھینکا جو جو سڑک کے کنارے نصب تھا اور جس پر اڈگھاٹن کرتا کے روپ میں ڈی ایم کا نام کندہ تھا۔ مکلیش درپن نے نعرہ لگایا۔

”ڈی ایم کی ایک دوائی

لتم جتم اور پٹائی“

ڈی ایم نے سنا تو اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رہینگ گئی..... ”اچھا بھو! اگر الیکشن تک رہ گیا تو حسن گنج میں سی آر پی بھردوں گا اور کاروائی کے وقت خود موجود رہوں گا.....“

مکلیش درپن سے ابھی تک شروانی کی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ بچھلی کسی بھی میٹنگ میں وہ شریک نہیں ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر راجدھانی میں ہی رہتا تھا۔ ایک بار جہان نگری کسی کام سے آیا بھی تھا تو شروانی نہیں تھے۔ شروانی اس سے ملنے میں کتر ابھی رہے تھے۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ٹوتھ پیسٹ تک مانگتا ہے.....

لیکن بکرے کی ماں بہت دنوں تک خیر نہیں مناتی.....

شروانی ڈی ایم سے ملے۔ وہ خوب ہنسا۔ اس نے سی ایم کے پرسنل سکرپٹری کو شروانی سے ایک خط لکھوایا کہ حسن

گنج میں ایسی کوئی جلا پورتی یو جانا نہیں ہے جس میں جل مینار کا پر اودھان ہو۔ مانیہ مکھ منتری کے کاریہ کرم میں جل مینار کا شلا نیاس غلطی سے جڑ گیا ہے جس میں سدھار آشیک ہے۔ کریا شلا نیاس کا کاریہ کرم رد کرنا چاہیں گے۔ یو جانا منظور ہونے پر سوچت کیا جائے گا۔

ڈی ایم نے تاکید کی کہ اس کی نقل و بھاگ کے منتری اور چیف انجنیر کو بھی دی جائے۔
شروانی دفتر آئے۔ فوراً چٹھی ٹائپ کروائی اور چیف آفس پہنچے۔

وہاں افراتفری مچی تھی۔ چیف انجنیر کے چمبر میں جن کلیان منتری کا قبضہ ہو گیا تھا۔ منتری کے گرگے چیف انجنیر کا چمبر خالی کروا رہے تھے۔ عملہ ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا۔ کوئی کرسی اٹھا رہا تھا۔ کوئی الماری گھسیٹ رہا تھا۔ چیف انجنیر اب ہال میں اسٹنٹ کے ساتھ بیٹھیں گے..... بیچ میں پلائی ووڈ کی دیوار ہوگی۔

شروانی کے لئے مشکل ہوگئی کہ شلا نیاس والی چٹھی کس کو دیں.....؟ بہتر یہی سمجھا کہ پہلے منتری سے بات کر لی جائے

.....
شروانی منتری کے دفتر آئے۔ ایک ہلچل سی مچی۔ پی اے نے کرسی پر پہلو بدلا۔ عملہ گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ چہرہ اسی نے دانت پوڑے۔

شروانی نے آنے مقصد بتایا تو پی اے نے سگریٹ کا لمبا کش لگایا۔

”منتری جی ویست ہیں۔“

”آپ چٹھی تو لے لیں.....“ شروانی نے جیب سے چٹھی نکالی۔

اچانک پی اے کو احساس ہوا کہ گرمی بہت ہے..... ٹھنڈا پینا چاہئے۔

”کوئلڈ درنک لاؤ.....“ اس نے چہرہ اسی کو حکم دیا۔

شروانی سمجھ گئے یہ فرمان ان کے لئے ہے..... پی اے کو کوئلڈ درنک چاہئے ورنہ منتری مہودے ویست رہیں گے۔

شروانی نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکالا۔ چہرہ اسی نے پہلے پی اے کو دیکھا پھر شروانی کو۔

”فہیم الدین شروانی.....! ایگزیکٹو انجنیر.....؟ پچاس سے کیا ہوگا.....؟ سو کے نوٹ

نکالو!“

شروانی نے پچاس کا دوسرا نوٹ نکالا۔ پی اے چٹھی لے کر منتری کے چیمبر میں گیا۔ تھوڑی دیر بعد بلا ہٹ ہوئی۔

وہاں مکلیش درپن بھی موجود تھا۔ اس نے شروانی کو حقارت سے دیکھا۔

”آپ ہی ایگزیکٹو انجنیر ہیں.....؟“

”جی ہاں“

”آپ بھینٹ ملاقات نہیں کرتے ہیں؟“

”معاف کیجئے گا..... میں نے آپ کو پہچانا نہیں.....؟“

کملیش درپن آگ بگولہ ہو گیا۔

”آپ ہوش میں ہیں.....؟ آپ کس سے بات کر رہے ہیں آپ کو پتہ ہے.....؟“

”آپ اپنے چھیتر کے ودھایک کو نہیں جانتے تو کام کیا کیجئے گا.....؟“ منتری غڑایا۔

”پہچانے گا ان کا بھوت.....! میں دوائی کر دیتا ہوں!“

”کیا نام ہے.....؟“ منتری نے پوچھا۔

”فہیم اللہین شروانی!“

”اس سے پہلے کہاں تھے.....؟“

”رام گڑھ!“

”یہاں کب آئے؟“

”ایک ماہ ہوا۔“

”بھینٹ ملاقات کرنا چاہئے.....!“

”یہ کیا بھینٹ کریں گے.....؟ شلانیاس کا سمئے آیا تو چلے رد کرانے.....! کیوں ہوگا رد“

”.....؟“

”یو جنا منظور نہیں ہے۔“

”یو جنا منظور نہیں ہے تو دوش میرا ہے کیا.....؟ آپ لوگ نکلے ہیں۔ ایک یو جنا نہیں بنا سکتے

.....میرا تو جنتا سے وعدہ ہے کہ پائپ کا پانی ملے گا..... بتائے.....! میرے وعدے کا کیا

ہوگا.....؟“

چپراسی تھمس اپ کی بوتل لے آیا۔

”منتری مہودے.....! کرپیا ان کو میرے چھیتر سے ہٹائیں..... جو آدمی مجھے پہچانتا نہیں

وہ میرا کام کیا کرے گا.....؟“ کملیش درپن کے لہجے میں حقارت تھی۔

”جائیے..... شلانیاس کی تیاری کیجئے.....!“ منتری بھی حقارت سے بولا۔

شروانی باہر آئے۔ لابی مین رام چترپاسہان مل گیا۔ وہ شروانی کو دیکھ کر کھل گیا۔

”پرنام سر.....!“

”پرنام.....“

”سی ایم آر ہے میں سر۔“

”یہی تو پریشانی ہے۔“

”کوئی پریشانی نہیں ہے سر..... ہم لوگ ہیں.....!“

شروانی نے اپنی مشکل بتائی۔

”کملا بابو سے ملیئے۔“

”کون کملا بابو.....؟“

”سی ایم کے پی اے ہیں۔“

”میں نے ان کے نام بھی چٹھی لائی ہے.....!“

”پھر کیا وقت ہے سر.....؟ چلیئے! میری جان پہچان ہے۔“

شروانی خوش ہو گئے۔

”آپ کی سیوا کے لئے ہم لوگ حاضر ہیں۔“ رام چتر مسکرایا۔ وہ اس وقت شروانی کو

جٹائیو کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اسی لباس میں تھا جو شروانی نے اس کے لئے منگوایا تھا۔

”ڈریس تو آپ نے سلوا دیا۔ لیکن چٹل ہی ٹوٹی ہوئی ہے.....!“

”آجائے گی.....!“ شروانی خوش دلی سے بولے

وہ جیب کی طرف بڑھے تو رام چتر پاسان اچھل کر آگے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شروانی کو اس کا اس طرح آگے بیٹھ

جانا اچھا نہیں لگا۔ لیکن وہ خاموش رہے۔

سی ایم سکرٹیٹ میں کام آسانی سے ہو گیا۔ پی اے بھلا مانس تھا۔ چٹھی پڑھ کر مکلیش در پن کو برا بھلا کہنے لگا۔

”یہ مکلیش در پن کی سازش ہے۔ وروہی دل کا آدمی ہے۔ سی ایم کو بے عزت کرنا چاہتا ہے

۔ جب یو جننا منظور نہیں ہے تو کیسا شلایا.....؟“

پی اے کے روئے سے شروانی کو قدرے اطمینان ہوا۔

وہاں سے نکلے تو رام چتر نے پھر چٹل کی مانگ کی۔ شروانی نے ایک دکان کے قریب جیب رکوائی۔

لیکن فٹ پاتھ کی دکان اس کو پسند نہیں آئی۔

”لبرٹی شووز.....“

”لبرٹی.....“ شروانی مسکرائے۔

رام چتر نے لبرٹی کی چٹل میں پاؤں ڈالا تو باہر نہیں نکالا۔ پرانی چٹل پیک کراوائی۔ لیکن پیچھا پھر بھی نہیں چھوٹا۔ ایک

اسٹال پر رک کر اس نے مرٹن اپیا۔ پان کھائے اور کرائے کے پیسے بھی لئے اور پھر جاتے جاتے یاد دہانی کرائی۔

”کمد چگانی جی نے آپ سے کچھ کہا تھا۔“

شروانی کو یاد آیا ان کے فلیٹ میں پانی نہیں مل رہا ہے۔

”آپ راجدھانی آئے ہیں تو ان سے مل لیں ورنہ شکایت ہوگی.....!“

”اچھی بات ہے.....!“ شروانی بولے اور جیپ آگے بڑھائی.....

< ۳ >

مسز کمڈ چگانی کی زندگی میں سیاست اور سیکس آپس میں گڈ مڈ ہو گئے تھے۔ ہم بستری کے دوران ان کی نگاہوں میں اکثر سیاسی منظر ابھرنے لگتے..... وہ کبھی ودھان سبھا سے گذرنے لگتیں کبھی راجیہ سبھا سے اور کبھی کبھی کسی سیاست داں کے بیڈروم سے.....

غریب ریلی کے دن جب ہوٹل چائیکے کے کمرے میں چمن لال چنچل سے ہم بستر تھیں تو ہوٹل کا کمرہ آہستہ آہستہ ایک خوب صورت بیڈروم میں بدل گیا تھا۔

فرش پر ساڑھے تین کروڑ کی رقم بکھری پڑی تھی۔ ایک سفید پوش بستر پر اوندھا پڑا تھا۔ مسز چگانی نے اس کو پہچاننے کی کوشش کی لیکن اس کا چہرہ نوٹوں سے ڈھکا تھا اور ستر کھلے تھے۔ انہوں نے جھک کر نوٹوں کے بنڈل سے پانچ سو کا ایک کرنسی نوٹ باہر کھینچا۔ اس کو سگریٹ کی طرح رول کر ہونٹوں سے دبایا۔ بایاں پاؤں سفید پوش کے کولہے پر ٹکایا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں..... اچانک سفید پوش کے جسم میں حرکت ہوئی..... اس نے زوردار نعرہ لگایا..... ”لوک تنتر کا بنن.....“ اور اُٹھ کر ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور انگلیوں سے وکٹری سائن بنائی..... مسز چگانی نے اس کو پہچان لیا۔ وہ پہلے کانگریس میں تھا اب اس نے الگ پارٹی بنالی تھی، مسز چگانی نے سگریٹ رول کا ایک سراکٹری کی ”وی“ میں پھنسا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

سفید پوش مستقل نعرے لگا رہا تھا اور مسز چگانی کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو رہی تھی..... جسم حرکت کر رہا تھا..... سانسیں تیز چل رہی تھیں..... اور پھر غیر ہموار سانسوں کے درمیان چمن لال چنچل کے بازوؤں کو انہوں نے زور سے گرفت میں لینے کی کوشش کی اور ان کے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخیں نکلیں ”لوک تنتر کا بنن..... دلش کی اکھنڈتا کو خطرہ..... خطرہ..... خطرہ۔“

”کمڈ جی.....! آپ میڈنگ میں نہیں ہیں؟“

”کمڈ جی.....! یہ سرکٹ ہاؤس ہے.....!“

مسز چگانی نے آنکھیں کھولیں..... ایک بار چمن لال چنچل کی طرف دیکھا اور پھر دور خلا میں تنکے لگیں۔

ہمیشہ یہی ہوتا تھا..... ان کی ففاسی کسی نہ کسی سیاسی نعرے پر ختم ہوتی۔ دراصل سیاسی نعروں کا ان کے جذبات سے وہی رشتہ تھا جو ففش کلمات کا جنسی فعل سے ہوتا ہے۔ یہ نعرے ان کو مشعل کرتے، سیکولرزم، قومی ایکٹا، سماج واد، غربتی ہٹاؤ، دلش کی اکھنڈتا کو خطرہ، لوک تنتر کا بہن اور سماجک نیائے جیسے الفاظ کا ان میں سہرن پیدا کرتے۔ مسز چکانی کو لگتا جیسے رہ نما اپنے پرائیوٹ پارٹ دکھا رہا ہے اور جب پُر جوش لفظوں میں وہ بھر شٹا چار کے خلاف باتیں کرتا کہ ”نہیں چلے گا بھر شٹا چار..... بھر شٹا چار مٹانا ہے نیا دلش بنانا ہے.....“ تو مسز چکانی کو وہ ایک دم ننگا نظر آتا..... ففاسی ان پر غالب ہونے لگتی..... نظروں میں بیڈروم کے مناظر ابھرنے لگتے۔

یہ کہنا غلط ہو گا کہ مسز چکانی از ار بند کی ڈھیلی تھیں۔ چن لال چنل سے جسمانی تعلقات کی وجہ جنسی کشش نہیں تھی۔ یہ تعلقات سیاسی معاہدے کی طرح تھے..... مثلاً بی جے پی، سمٹا یا کانگریس، جنٹا دل یا بی ایس پی کانگریس گھ بندھن کی طرح جس کی کوئی مشترکہ آئیڈیالوجی نہیں تھی..... کوئی مینی فیسٹو نہیں تھا..... بلکہ مقصد تھا اقتدار..... مسز چکانی بھی اقتدار کی سیڑھیاں چڑھنا چاہتی تھیں جس کے لئے کہیں نہ کہیں گھ بندھن ضروری تھا۔ فی الحال وہ چن لال چنل کے ساتھ ہو گئی تھیں۔ چن لال چنل لوک لیکھا سمیتی کا چیرمین تھا اور اعلیٰ کمان کا مشیر بھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس بار الیکشن میں ان کے لئے ٹکٹ کی سفارش کرے گا۔

مسز چکانی اپنی شادی شدہ زندگی سے مطمئن تھیں۔ مسز چکانی اگر کی کلچر کالج میں اینٹل ہسبنڈری کے لکچرر تھے اور سی۔ ایم کے نجی فارم کے صلاح کار بھی۔ ان کی دیکھ ریکھ میں سی ایم نے کاؤ شیڈ کا ایکسٹشن کیا تھا۔ چالیس پچاس مویشی کے لئے قریب سو فٹ شیڈ کی توسیع ہوئی تھی۔ جس میں ایک وپر لیمپ اور ڈھائی ٹن کے چارونڈ وٹا پ ائرن کنڈیشنرز لگے تھے۔ مسز چکانی جب بھی سی۔ ایم ہاؤس آتے یہ شکایت ضرور کرتے کہ پیسی کلچر (Pesi Culture) اب ختم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ کنزیومر کلچر نے لے لی ہے۔ یہ سلسلہ ۸۵ کے عشرے سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جب گورنر نے پہلی بار اپنی کوٹھی کے پائیں باغ کے پیڑ کٹوائے تھے اور اس کو فارم میں بدل دیا تھا۔

باغ کے اس حصے میں پالٹری فارم بن گیا تھا اور پیچو پیچ مچھلیوں کا تالاب..... باقی حصے میں سبزیاں اُگائی جاتی تھیں۔ تب سے یہ چلن عام ہو گیا تھا اور دیکھتے دیکھتے منسٹر اور اعلیٰ حکام کے سرکاری بنگلے، فارم اور مرغی خانے میں تبدیل ہو گئے تھے۔ سینچائی منتری تو بیڑ بھی پالتا تھا اور کلکتہ میں بیچتا تھا اور ہر سال تالاب کی نیلامی کرواتا۔ کبھی کبھی فارم کی مچھلیاں اور بیڑ منسٹر چکانی کے حصے میں بھی آ جاتے تھے۔ منسٹر چکانی بیڑ نہیں کھاتے تھے لیکن مسز چکانی منسٹر کا تحفہ سمجھ کر بہت شوق سے بیڑ کے کباب لگاتی تھیں۔

مسز چگانی اپنی ازدواجی زندگی سے خوش تھیں۔ مسٹر چگانی ان کی سیاسی زندگی میں دخل نہیں دیتے تھے۔ صرف ایک بات ان کے لئے تکلیف دہ تھی..... اور وہ مسٹر تھی چگانی کی ہنسی.....!!

مسٹر چگانی دو طرح سے ہنستے تھے۔ ایک ہنسی تھی دھیش شش..... دھیش شش..... جیسے ٹیوب سے ہوا خارج ہوتی ہے..... اس طرح ہنسنے میں ان کا دہانہ کھل جاتا اور سامنے کے دو تین دانت نمایا ہو جاتے اور دھیش شش..... کی آواز کے ساتھ منہ سے ہوا بھی نکلتی..... مسز چگانی کو بہت کراہیت محسوس ہوتی۔ ان کو لگتا مسٹر چگانی ہنس نہیں رہے ہیں منہ سے ریاخ خارج کر رہے ہیں..... ان کو اپنے پرکھنڈ کا بی ڈی او یاد آ جاتا جو اسی طرح دھیش شش کی آواز نکالتا تھا جو ہر روز گاریو جن میں اس نے کافی پیسے بنائے تھے۔ اس کو بد ہضمی کی شکایت رہتی تھی اور پیٹ ہمیشہ پھولا رہتا۔ وہ بات بات پر ڈکار لیتا۔ دھیش شش..... دھیش شش..... مسز چگانی جب کوئی سیاسی نکتہ بیان کرتیں تو مسٹر چگانی بے ظاہر ان کی بات غور سے سنتے تھے لیکن کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے منہ سے دھیش شش..... کی آواز نکال کر چپ ہو جاتے۔ مسز چگانی چڑھ جاتیں۔

ان کی ایک اور ہنسی تھی..... قیس قیس والی..... یہ بہت مخصوص ہنسی تھی، صبح صبح اخبار بینی کے وقت ان کے منہ سے نکلتی یا جب وہ کوئی لطیفہ بیان کرتے یا فقرہ کہتے تو اسی طرح ہنستے تھے۔ اس طرح ہنستے ہوئے ان کا دہانہ پورا کھل جاتا، زبان نمایاں ہو جاتی، آنکھیں بند رہتیں اور جسم زور زور سے ہلنے لگتا اور حلق سے مسلسل قیس قیس کی آواز نکلتی رہتی۔ مسز چگانی کو بہت وحشت ہوتی۔ بعض اوقات وہ باتھ روم میں گھس جاتیں اور فلش چلا دیتیں۔ فلش کی آواز میں قیس قیس کی آواز ایک ساعت کے لئے دب جاتی۔

اس ہنسی میں مسز چگانی کو ہمیشہ تضحیک کا پہلو نظر آتا تھا۔ مسٹر چگانی عام بات میں بھی کوئی طنزیہ جملہ بول جاتے اور اسی طرح ہنسنے لگتے۔ مثلاً وہ کسی تقریر کا ذکر کرتے تو مسٹر چگانی فوراً جڑ دیتے..... جتنا کو بھاشن اور نیتا کو راشن..... قیس..... قیس..... قیس یا کبھی پارٹی میں ڈونیشن دینے کی بات ہوتی تو مسٹر چگانی کہتے..... کنگال بینک کا چیک دے دو..... قیس..... قیس..... قیس..... اس طرح ہنستے ہوئے وہ مسز چگانی کو بالکل ہلوق نظر آتے..... وہ نفرت سے سوچتیں کہ اس شخص کا آئی کیو کتنا لو ہے۔ راشن اور بھاشن اور کنگال بینک کا چیک تو اس کو لی بچے بولتے ہیں..... سی ایم نے اس کو اپنا صلاح کار کیسے بنالیا؟

مسز چگانی کو اخبار بینی سے چڑھ تھی۔ وہ اخبار سے چپک جاتے تھے اور اس دوران دوبار چائے پیتے..... مسز چگانی کوٹھنے کی یاد آ جاتی۔ انہوں نے کہیں پڑھا تھا کہ کوٹھنے کو دو باتوں سے نفرت تھی..... صبح اخبار بینی اور جمہوریت..... اس کا ماننا تھا کہ یہ دونوں ہی باتیں معاشرے میں اوور مین (Overman) کو پیدا نہیں ہونے دیں گی.....

مسز چگانی ہمیشہ سے ایسی نہیں تھیں۔ اگرچہ طالب علمی کے زمانے سے ہی ان کی دل چسپی سیاست میں تھی لیکن سیاست اور سیکس اس طرح گڈ بند نہیں تھے۔ ان دنوں وہ کمد ٹرکی ہوا کرتی تھیں۔ اکنامکس کی ذہین طالبہ..... ایک باریونیورسٹی سمینار میں انہوں نے نظام تعلیم پر زور دار تقریر کی تھی۔ تقریر کا کُلب لباب یہ تھا کہ آزادی کے بعد نظام تعلیم درہم برہم ہو گیا ہے جس کے ذمہ دار ہمارے سیاسی رہنما ہیں۔ آزادی سے پہلے ہمارے یہاں جگدیش چندر بوس، سی وی رمن، میگھ ناتھ ساہا اور بیربل سائہی جیسے سائنس داں پیدا ہوئے تھے جن کی بین الاقوامی حیثیت تھی۔ لیکن یہ روایت آزادی کے بعد ختم ہو گئی۔ نت نئے نئے تجربے کے شوق نے نظام تعلیم کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ آج سرکاری اداروں میں تعلیم کے نام پر استحصال ہے۔ پڑھائی تو صرف مشنری اداروں میں رہ گئی ہے جو انگریزوں کی دین ہے۔

سمینار میں وزیر تعلیم مہمان خصوصی کی حیثیت سے موجود تھے۔ تقریر سن کر ٹپٹائے۔ وہ بس اتنا ہی کہہ پائے کہ میری کا منا ہے کہ آپ سب نئے سماج کے زمان میں رہنا تمک بھومیکا نبھائیں۔ اس کے بعد وہ اسٹوڈنٹ یونین کی جزل سکریریٹی منتخب ہوئی تھیں۔

کالج سے نکلنے کے بعد کمد ٹرکی نے خود کو سا کچھرتا ابھیان سے جوڑا تھا۔ سا کچھرتا ابھیان میں چھوٹا ناگپور کے دیہی علاقوں کا دورا کرنا پڑتا تھا جس میں ضلع انتظامیہ کا عملہ بھی شامل ہوتا۔ ایک بار وہ کسما ڈی پنچایت سے لوٹ رہی تھیں تو جیب اچانک خراب ہو گئی۔ باقی راستہ پیدل طے کرنا پڑا۔ بی ڈی اوبھی ساتھ تھا۔ سڑک سنسان تھی سامنے سے ایک جھر کھنڈی چلا آ رہا تھا۔ اس کا لباس بوسیدہ تھا اور پاؤں میں پھٹی ہوئی چپل تھی۔ بی ڈی او کو دیکھ کر جھر کھنڈی رک گیا۔ چپل اتار کر جوڑی ملائی اور بغل میں ڈال لیا۔ بی ڈی او نزدیک آیا تو وہ گھٹنے کے بل جھک گیا اور زمین بوس ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر بی ڈی او کو سلام کیا۔ بی ڈی او نے جواب میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ کمد ٹرکی نے محسوس کیا کہ جھر کھنڈی کے سلام نے بی ڈی او کو اس کے عہدے کا احساس دلایا ہے، وہ سینہ تان کر چل رہا ہے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ جھر کھنڈی ابھی بھی کھڑا تھا اور شاید اپنی نگاہوں سے ان کے اوجھل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ چپل پہن سکے..... کمد ٹرکی نے ایک لمحہ کے لئے سوچا کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں ایک نئے فیوڈل کلاس کا جنم ہو رہا ہے۔ یہ ایک جھر کھنڈی کا کسی افسر کو سلام نہیں تھا، یہ تین کروڑ جھر کھنڈی کا ایک طبقہ کا سلام تھا جس کے پاس چپل پہن کر گزرنا خلاف تہذیب تھا..... کمد ٹرکی کے دل میں درد کی ایک لہری اٹھی..... اسی پل انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود کو جھر کھنڈا نڈلن سے جوڑیں گی اور الگ جھر کھنڈ راجیہ کے سنگھرش میں حصہ لیں گی

کمد ٹرکی جھر کھنڈا ندولن میں دل چسپی لینے لگیں..... وہ بکتی مورچہ کی رکن بن گئیں۔
ایک بار فرائٹل لال چوک پر مورچہ کی عام سبھا ہوئی جس میں مجمع سے خطاب کرنے کا انہیں موقع ملا۔
”جھر کھنڈی بھائیو!“

جھر کھنڈ کی سر زمین امیر ہے لیکن جھر کھنڈی غریب ہے۔
سرکار کی آمدنی میں نوے فی صد جھر کھنڈ کا ہے لیکن سرکار صرف دو فی صد جھر کھنڈ پر خرچ کرتی ہے آج جھر کھنڈ میں کسان بھوکا مر رہا ہے، مزدور بھوکا ہے، ہریجن بھوکا ہے..... ہمارا کب تک شوٹن ہوگا.....؟ ہر طرف بھر شٹا چارہی بھر شٹا چارہ ہے۔ آج یہ سوال ہمیں متھ رہا ہے کہ راستہ کون دکھائے گا؟..... بھائیو!..... راستہ ہمیں خود ڈھونڈنا ہے..... ہمیں لڑنا ہوگا..... قربانی دینی ہوگی..... سوئے ہوئے لوگوں کو جگانا ہوگا..... الگ جھر کھنڈ بنانا ہوگا.....؛

کمد ٹرکی کی تقریر تالیوں کے شور میں ختم ہو گئی۔ وہ ڈاؤس سے اتریں تو ان کا چہرہ سرخ تھا، وہ بے حد جوش میں تھیں اور ان کو احساس ہو رہا تھا کہ ان کی زندگی کا ایک مقصد ہے..... ایک لمبی لڑائی لڑنی ہے.....
عملی سیاست میں یہ ان کا پہلا قدم تھا۔ وہ دن بہ دن فعال ہوتی گئیں اور بہت جلد نوٹس میں آ گئیں۔ آہستہ آہستہ شناسائی سب سے بڑھنے لگی۔ چن لال چنچل، محمد ادریس دڑانی اور کلا دھر سنتوش جیسے سیاسی رہنماؤں سے بھی ملاقات ہوئی۔ کمد ٹرکی نے محسوس کیا کہ پارٹی میں رہ نماؤں کا ایک طبقہ آسودہ نہیں ہے۔ چن لال چنچل ہمیشہ دلت راج نیٹی کی بات کرتا ہے۔ محمد ادریس دڑانی اور کلا دھر سنتوش بھی مطمئن نظر نہیں آ رہے تھے۔ اسی دوران ان کی ملاقات مسٹر چگانی سے ہوئی۔ مسٹر چگانی آدمی سادہ لوح معلوم ہوئے۔ دو چار ملاقاتوں میں ہی انہوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کمد ٹرکی سے کمد چگانی بن گئیں۔ چن لال چنچل نے بہت جلد پارٹی چھوڑ دی اور دلت مورچہ میں شامل ہو گیا۔ لیکن مسز چگانی گھوم گھوم کر جھر کھنڈا ندولن کا پرچار کرتی رہیں۔ ان کو محسوس ہوتا کہ الگ جھر کھنڈ راج کا سپنا یہاں کے گھر آنگن، کھیت کھلیان اور جنگل پہاڑ میں پل رہا ہے۔

ایک دن اچانک مسز چگانی نے دیکھا کہ سینے میں دو بڑے بڑے غار نما سوراخ ہیں اور کہیں کوئی سپنا نہیں ہے.....
مسز چگانی کو تین کروڑ جھر کھنڈی مدقوق آنکھیں لئے سوراخوں سے جھانکتے نظر آ رہے تھے.....

۲۶ جولائی ۱۹۹۳ء کی وہ شام.....

آندھرا بھون کے زریں فرش پر دوزانو جھر کھنڈی رہ نما.....

کھیا کی لڑکھرائی کرسی کا پایہ تھامے..... پشت پر لادے بینک کی مہر والی گنی بیگ۔

پچاس لاکھ.....

چالیس لاکھ.....

دس لاکھ جوائنٹ اکائیٹ میں ٹرانسفر.....

پیٹرول پمپ.....

ہڈا (Huda) کار ہائٹی پلاٹ.....

اسی طرح چوری ہوتے ہیں سپنے.....

اور اسی طرح مرتا ہے آندولن.....

چمن لال چنچل نے پیٹھ سہلائی اور یہی وہ دن تھا جب سیاست اور سیکس گڈنڈ ہوئے تھے.....

”کمڈ جی! لوک تنز میں سب چلتا ہے..... خاص کروکاس شیل دیشوں میں..... لوک تنز

میں کچھ نہیں بدلتا..... صرف نعرے بدلتے ہیں..... غربتی ہٹاؤ کا نعرہ سماج واد میں بدل گیا۔

آج سماج واد کی جگہ سماجک نیائے نے لے لی ہے۔ غربتی ہٹ نہیں سکتی..... سماج واد بھی

کھنڈت ہوا..... سماجک نیائے بھی نہیں ملے گا..... یہ محض شبہ جال ہیں جن میں جتنا پھنسی

رہتی ہے..... ویسٹھا کوئی بھی ہوشوشن ہمیشہ عام آدمی کا ہوتا ہے..... سرکار ہمیشہ ایٹنی پیپل

ہوتی ہے۔ راج نیتی نعروں کی شکتی سے چلتی ہے۔ لوک تنز میں ضروری ہے کہ ہم نئے نئے

شبہ جال رچیں۔ آزادی سے پہلے نہرو ماس لیڈر ہوا کرتے تھے۔ آزادی کے بعد پارٹی

لیڈر ہو کر رہ گئے۔ لوک تنز کبھی ماس لیڈر پیدا نہیں کرتا۔ لوک تنز ہمیشہ پارٹی لیڈر پیدا کرتا

ہے اور پارٹی لیڈر صرف پارٹی کے ہت میں سوچتا ہے۔ وہ دلش کے ہت میں سوچ ہی نہیں

سکتا۔“

”آخر بی جے پی کو سرکار بنانے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا.....؟ آخر کانگریس نے سمر تھن

کیوں واپس لے لیا.....؟ جتنا کوالیکشن کے چکر میں پھنسائے رکھنا بھی راج نیتی ہے

..... یہ لوک تنز کی مجبوری ہے..... بنگلہ دلش بننے سے پہلے جب پاکستان میں چٹاؤ ہوا

تھا تو شیخ مجیب الرحمن بہومت میں تھے، لیکن جنرل یحییٰ خاں نے ان کو پردھان منتری

ہونے نہیں دیا۔ بھٹو پردھان منتری ہو گئے اور پاکستان ٹوٹ گیا۔ لوک تنز میں ونش واد

چلتا ہے۔ بے نظیر بھٹو بھی پردھان منتری ہو گئیں اور آج ان کے کروڑوں ڈالر

سوائس بینک میں ضبط ہیں۔ تو لوک تنز میں سب چلتا ہے.....“

”کرائی تو آسکتی ہے؟“

”کرائنتی نہیں آسکتی..... جب تک لوک تنز ہے کرائنتی نہیں آسکتی..... سارا آندولن اسی طرح مرجائے گا..... آزادی سے پہلے کرائنتی آئی تھی تو اس کا کارن تھا۔ ہم غلام تھے اور آزاد ہونا چاہتے تھے۔ آزادی کی جدوجہد نے ہمیں ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا۔ اب ہم آزاد ہیں تو ہمیں سنا چاہئے۔ اس لئے ہم اپنے اپنے پلیٹ فارم سے سٹاک کی ہوڑ میں لگے ہیں سٹاک سے پیسہ ملتا ہے اور پیسہ سے سٹاک ملتی ہے۔

آندھرا بھون کی گھٹنا اس لئے کھٹی کہ سٹاک میں بنے رہنا تھا اور جتنا بہت جلد بھول جاتی ہے۔ بھولنے کا یہ عمل لوک تنز کے لئے وردان ہے..... پھر چناؤ ہوگا اور وہی لوگ ہوں گے۔ وہ پھر سٹاک میں آئیں گے اور پھر گھوٹا لا ہوگا..... یہ کوچکر چلتا رہے گا..... جب تک لوک تنز ہے اس سے ملتی نہیں ہے.....“

”کوئی وکلی“

”یہ ہماری سمسیا نہیں ہے..... یہ آنے والی پیڑھی کی سمسیا ہے۔“
 ”خونی کرائنتی تو آسکتی ہے..... یا پریسیڈنٹیل فارم آف گورنمنٹ.....؟“ مسز چگانی نے پوچھا۔

”کرائنتی کوئی گھٹنا نہیں ہے جو گھٹ جاتی ہے۔ یہ ایک فینومینا ہے..... ایک پروسس ہے کرائنتی اور اس کی پریشہ بھومی ابھی تیار نہیں ہوئی.....“

پھر اس نے مسز چگانی کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

”چھوڑئے ان باتوں کو..... آپ بے کار جھڑکنڈ کے لئے جھک رہی ہیں..... پورے دلش کی سوچئے اتنا بڑا دلت ورگ..... کچھڑی جاتی..... جن جاتی..... ہریجن..... یہ آدی کال سے شوشٹ ہیں..... ہمیں ان کے لئے لڑنا ہوگا۔ سماجک نیائے کے لئے لڑنا ہوگا..... منوواد کے خلاف لڑنا ہوگا.....“

مسز چگانی کو اپنی پشت پر چمن لال چنچل کے ہاتھوں کا لمس اچھا معلوم ہو رہا تھا۔

”کمدمجی! آپ ہماری پارٹی میں آجائیے۔ آپ کو ٹکٹ ملے گا۔ آپ چناؤ جیت جائیں گی

“

اس کے ہاتھ ان کی کمر کے گرد بڑھ گئے۔ اس نے آہستہ سے ان کو اپنی طرف کھینچا..... مسز چگانی اس کے سینے

سے لگ گئیں..... اور ان کو اپنی آنکھیں اچانک نمناک محسوس ہوئیں..... چمن لال چنچل سچا غمگسار معلوم ہوا۔
تب وہ کانوں میں پھسپھسایا۔

”کمد جی! آپ میں پرتھا ہے..... آپ نیشنل فیم کی لیڈر بنیں گی.....“

اس نے اپنے بازوؤں کی گرفت تھوڑی سخت کی..... کمد چگانی نے اس کی گرم سانسوں کو اپنے رخساروں پر محسوس کیا..... وہ اس کی ہانہوں میں جیسے کھلے لگیں..... ان کی سانسیں غیر ہموار ہونے لگیں..... بدن پر چیونٹیوں کا جال کسے لگا۔

چمن لال کے ریختے ہوئے ہاتھ ان کی چھاتیوں کی طرف بڑھ گئے.....

دوسرے ہی لمحے وہ کپڑوں سے بے نیاز تھیں.....

مسز چگانی کی آنکھیں بند تھیں..... سمند کی لہروں کا زیر لب شور کانوں میں گونج رہا تھا اور بند آنکھوں میں منظر لہرا رہے تھے..... آندھرا بھون کا صاف شفاف زریں فرش..... کھیا کی لڑکھرائی ہوئی کُرسی..... ٹوٹوں سے ٹھس ٹھس گنی بیگ..... دودھان سبھا میں گتھم گتھا سفید پوش..... قیس..... قیس..... قیس..... چرچل نے کہا تھا.....

”کمد جی! کہاں کھو گئیں.....؟“ چمن لال نے گال تھپ تھپائے۔

مسز چگانی نے آنکھیں کھولیں..... چاروں طرف دیکھا اور اُٹھ کر کپڑے درست کرنے لگیں.....

مسز چگانی چمن لال چنچل کی پارٹی میں شامل ہو گئیں۔ اب ایک بڑا مقصد تھا..... منوواد کے خلاف لڑائی..... دلت شوشٹ اور پیڑت کے لئے سماجک نیائے.....!!

اس دن غریب ریلی میں انہوں نے لمبی تقریر کی اور ایک بار پھر چرچے میں آ گئیں۔ ریلی کی رپورٹ اخبار میں شائع ہوئی۔ ان کا نام جعلی حروفوں میں آیا تھا اور تقریر کے اہم حصے بھی شائع ہوئے تھے۔ لیکن اسی صفحہ پر ایک خبر یہ بھی تھی کہ ہندوستان میں ایڈس تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مسز چگانی کی نظر اس خبر پر نہیں پڑ سکی تھی۔ ریلی کی رپورٹ میں وہ بار بار صرف اپنا نام پڑھ رہی تھیں۔

مسٹر چگانی نے اپنے ہاتھ میں اخبار لیا تو ان کے ہونٹوں پر پُر اسرار مسکراہٹ ریگ گئی۔

”ساتھ ساتھ ایڈس کی خبر بھی شائع ہوئی ہے۔“

مسز چگانی نے جھک کر دیکھا..... بھارت میں ایڈس.....!

ان کو اچھا نہیں لگا کہ ایک اہم سیاسی خبر کے ساتھ جنسی بیماری کی خبر بھی اسی کالم میں شائع ہو۔

”یہ اخبار والے بھی.....“ وہ غصہ میں بڑبڑائیں۔

”اخبار والے کیا کریں..... ایڈس تو پھیل رہا ہے..... بوفورس گھوٹالہ..... حوالہ کاٹڈ.....“

سٹ کیٹس..... لکھو بھائی پاٹھک..... جھر کھنڈ گھوٹالہ..... پشوپالن گھوٹالہ..... جوتا گھوٹالہ.....
ساری دھوتی گھوٹالہ..... وردی گھوٹالہ..... لیٹر آف کریڈٹ گھوٹالہ..... ہائی کورٹ
میں کیس..... سپریم کورٹ میں ضمانت..... قیس..... قیس..... قیس..... قیس.....“
مسز چگانی باتھ روم میں گھس گئیں..... ان کو بہت بار فلش چلانا پڑا۔
☆ ☆ ☆

اس دن اسمبلی میں جوتے چلے تھے۔ مایاوتی کے بعد کلیان سنگھ نے حکومت بنائی تھی۔ اس بات کا چرچا تھا کہ جو
بھی دل بدل کر بی جے پی میں گیا منسٹر بن گیا۔ یہاں تک کہ عادی مجرم بھی منتری منڈل میں شامل تھے جس کا
واجبی جی کے پاس جواز تھا کہ ہر سادھو کا ایک ماضی ہوتا ہے اور ہر مجرم کا ایک مستقبل..... اور یہ کہ کانگریس نے
پیسے دے کر خریدے ہم نے عہدے دے کر۔

فہیم الدین شروانی بھی اسی دن چا پائل کا معائنہ کرنے پہنچے۔ مسز چگانی نے ان کا مسکرا کر استقبال کیا۔ وہ اس وقت
غسل کر کے اُٹھی تھیں۔ ان کے بال بھیگے ہوئے تھے اور جامنی ہونٹوں پر نمی کا تازہ پن برقرار تھا۔ سرمئی بلوز اور
اودے رنگ کی ساری میں ان کی سانولی رنگت انوکھا امتزاج پیدا کر رہی تھی۔

وہ آنگن میں آئیں اور چا پائل دکھایا۔ شروانی نے نل چلا کر دیکھا۔ پانی کا ڈسپانر معقول تھا۔ پھر چھت کی طرف
نظر کی اور اندازہ لگایا کہ چھت تک کنکشن کرنے میں قریب تیس فٹ پائپ کی ضرورت ہوگی۔

مسز چگانی شروانی کے بہت قریب کھڑی تھیں۔ وہ ان کی سانسوں کو اپنی گردن پر محسوس کر رہے تھے۔ مسز چگانی بار
بار اپنے ہونٹ بھینچ رہی تھیں جس سے وہ اور بھی گیلے ہو گئے تھے۔ شروانی کی خواہش ہوئی کہ ان کے ہونٹوں کو چھو
کر دیکھیں.....

وہ اپنی خواہش پر دل ہی دل میں مسکرائے..... اور مسز چگانی کا آنچل ڈھلک گیا.....!!

”شروانی جی! کب تک ہو جائے گا.....؟“ مسز چگانی اٹھلا کر بولیں..... اور ندی کے مٹ
میلے پانی میں تھوڑی ہلچل ہوئی۔

”جو نیرا نجیر کو سامان کے ساتھ بھیج دوں گا۔“

”کب.....؟“

”کل ہی.....!“ شروانی مسکرائے۔

”بہت بہت شکریہ!“

”اب اجازت دیں!“

”چائے تو پی کر چائے.....“

شروانی ڈرائیگ روم میں آئے تو ٹھٹھک گئے۔ چمن لال چنچل سیاسی کارکنوں کے ساتھ موجود تھا۔ ”برے پھنسے.....“ شروانی نے سوچا اور ہاتھ اٹھا کر آداب کہا۔

”پانی کا پختہ انتظام کیجئے.....!“ چمن لال چنچل شروانی سے مخاطب ہوا۔
”ہو جائے گا.....“

”ہمارے چھیترا کیا ہوگا.....؟ الیکشن آرہا ہے..... کچھ چا پائل چاہیئے.....!“
”ابھی تو فنڈ نہیں ہے۔“

”میں ایک لسٹ دوں گا کہاں کہاں مل چاہیئے۔ آپ اسٹیٹ بنا کر وبھاگ کودیں۔ میں منظور کرادوں گا۔“

”اس بار الیکشن میں کیا رن نیٹی ہوگی.....؟“ ایک رضا کار پوچھا۔
”اعلیٰ کمان کو ریلی نکالنی چاہیئے۔“ مسز چگانی بولیں۔

”ریلی تو نکلے گی۔ ہم شکتی پر درشن کریں گے۔“

”ریلی کا چلن نوے کی دہائی سے بڑھا ہے۔ سماجک نیائے کے نام پر نکالی گئی ریلیاں آہستہ آہستہ جاتی سنگھرش میں بدل گئیں۔ چناؤ کے ٹکٹ کا بٹوارہ بھی جاتی پرتا ہوگا۔ اعلیٰ کمان زیادہ تر ٹکٹ اپنی ذات والوں کو دیں گے۔“

”بھرشنا چار بھی تو مدد ابن سکتا ہے.....“ مسز چگانی نے پوچھا۔

”بھرشنا چار سے کیا ہوتا ہے؟ بھرشنا چار وکاس شیل دیش میں ہوگا ہی۔ جتنا نے اسے وکاس کی پرکریا کے روپ میں سویکا کر لیا ہے۔“

”مجھے لگتا ہے بی جے پی سرکار بنا لے گی۔“ مسز چگانی بولیں۔

”ابھی ایک دو الیکشن تک ملی جلی سرکار رہے گی۔ لیکن اجدوہیا کے مسئلے نے ملک کی سیاسی طاقتوں کو پولٹیکا ضرور کر دیا ہے۔ بی جے پی کو لوگ ایک پول مانتے ہیں۔ اس نے اجدوہیا کو راشنریہ ایتکا کا سوال بنا دیا ہے۔ رام کے ساتھ پہلے روٹی کو جوڑا اب سماجک نیائے بھی جوڑتی ہے۔ ایک طرح سے بی جے پی نے سماجک نیائے کا نعرہ اچک لیا۔“
”کانگریس نے بھی تو بی جے پی کا نعرہ اچک لیا..... مہان سنسکریتی..... اب اطالوی

خاتون بھی دلش کی مہان سنسکرتی کی باتیں کرنے لگی ہیں۔“
 ”لیکن سماجک نیائے بی جے پی کا نصب العین نہیں ہے..... بی جے پی کا نصب العین
 ہے برہمن واد کو پھر قائم کرنا۔ اس لئے وہ مذہب کو راشٹریتا سے جوڑتی ہے۔ بی جے پی
 کا اصل چہرہ اوجودھیا کے مسئلے پر سامنے آ گیا ہے۔ اب وہ ایک کٹر ہندو وادی پارٹی کی
 شکل میں سامنے ہے۔“

”اس کا زور تو روز بروز بڑھ رہا ہے۔“
 ”ہندوستان کا اصل مسئلہ ہے روٹی۔ روٹی کو الیکشن کے نعرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔
 اندرا گاندھی نے جب کہا کہ غریبی ہٹاؤ تو مطلب تھا روٹی دو۔ ۱۹۹۰ میں اڈوانی نے رتھ
 یا تراکی کامیابی حاصل کی اور جواب میں وی پی نے منڈل چلایا اور ثابت ہو گیا کہ اصل
 مسئلہ روٹی ہے رام نہیں۔ اس لئے بی جے پی اب رام کو روٹی سے جوڑتی ہے۔“
 ”اور کانگریس.....؟“

”کانگریس تو ٹوٹ پھوٹ گئی..... اب تین چار سال پاور میں نہیں آسکتی.....“
 ”راج نیٹی میں اپرا دھ بھی تو بہت بڑھ گئے.....“
 ”کیا کچھ گاہ..... ہم لوگ جو گرگے پالتے ہیں وہ پہلے روٹی مانگتے تھے..... اب ٹکٹ مانگتے
 ہیں.....“ چمن لال چنچل مسکرایا۔

مسٹر چگانی بھی آکر ڈرائیگ روم میں بیٹھ گئے اور ٹی وی کھولا۔ مسز چگانی نے انہیں خشکیں لگا ہوں سے دیکھا لیکن
 وہ سب سے بے نیاز ٹی وی دیکھنے میں مگن ہو گئے۔ مسز چگانی بار بار پہلو بدل رہیں تھیں۔ اس وقت مسٹر چگانی کا
 آنا ان کو ناگوار گذر رہا تھا۔

خبریں نشر ہونے لگیں تو سب کی توجہ ادھر مرکوز ہو گئی۔ اچانک ٹی وی اسکرین پر وہ منظر آیا جب اسمبلی میں جوتے
 چلے تھے۔ ودھایک آپس میں گتھم گتھا تھے۔ کوئی لات چلا رہا تھا۔ کوئی مکے چلا رہا تھا..... ایک نے گُرسی پھینک
 کر ماری۔ دوسرے نے مانگ گھما کر پھینکا جو ایک ودھایکہ کا لگا۔ وہ زخمی ہو گئی۔ اسپیکر کو بھی چوٹ آئی۔ ایک
 ودھایک ٹیبل پر چڑھ گیا۔ دوسرا اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنے لگا۔ کسی کی آستین پھٹ گئی..... کسی کا دامن..... کسی کا
 گریباں..... ایک کی دھوٹی کھل گئی..... وہ دھوٹی سنبھالنے لگا تو ایک ودھایک کا جوتا اس کے سر پر پڑا.....

”قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں..... قیں.....“
 مسٹر چگانی زور زور سے ہنس رہے تھے۔ ان کا جسم پوری قوت سے ہل رہا تھا..... آنکھیں بند تھیں..... اور زبان

باہر نکل آئی تھی۔ سب ان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پہلے ان کو اس طرح ہنستے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مسز چگانی اٹھ کر ہاتھ روم میں گھس گئیں۔ آخر چمن لال چنچل نے ان کو ٹوکا۔

”آخر کیا کہا تھا چرچل نے جو آپ اتنا خوش ہو رہے ہیں.....؟“

”چرچل نے آپ جیسے لوگوں کے لئے ہی کہا تھا۔ قیں..... قیں..... قیں.....“

”کچھ منہ سے پھوٹیے۔“

مسز چگانی ہاتھ روم سے نکلیں تو شروانی کے پاس بیٹھ گئیں۔

”چرچل نے کہا تھا کہ ہندوستان میں ڈیموکریسی ہوئی تو پچاس برسوں بعد کرمیل کا راج

ہوگا۔ پچاس سال ہو گئے..... قیں..... قیں..... قیں.....“ چمن لال چنچل کا منہ غصے سے

سرخ ہو گیا۔ وہ صوفے سے اٹھ گیا۔

”کمد جی! اب آگیا دیکھئے..... لکھنؤ کی تیاری کرنی ہے.....!“

”وہاں کہاں تھوکیں گے.....؟ جہاں بھی تھوکیں گے کسی نہ کسی منتری پر پڑے گا..... قیں

..... قیں..... قیں.....“

مسز چگانی بھٹا گئیں اور مسٹر چگانی کو نفرت سے گھورتی ہوئی اٹھ گئیں۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے۔ مسز چگانی سب کو

چھوڑنے دروازے تک گئیں..... شروانی نے بھی وداع لی۔

شروانی گھر لوٹے تو اداس تھے۔ امی نے کھانے کے لئے پوچھا تو درد سر کا بہانہ بنایا اور چپ چاپ بستر پر لیٹ گئے۔

بغل کے کمرے سے جیم الدین کے مسلسل کھانسنے کی آواز آرہی تھی۔ ڈھان چوہا برآمدے میں ٹہل رہا تھا اور

مولانا روم کی مثنوی پڑھ رہا تھا۔

”کچھ تو کھا لیتے.....؟“ امی نے اصرار کیا۔

”بھوک نہیں ہے۔“

”ذرا سا.....؟“

”نہیں امی.....!“

”آخر کیا ہوا.....؟“

”پلیز سونے دیکھئے.....!“ شروانی کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

امی نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے کمرے میں واپس چلی گئیں۔ ڈھان چوہا تک خاموش ہو گیا۔ جیم الدین

کے کھانسنے کی آواز تیز ہو گئی۔ شروانی نے کسی مریض کی طرح کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ ان

پراک بے کیف سی دھند چھانے لگی..... ایک لمحے کے لئے مسز چگانی کا چہرہ نگاہوں میں اُبھرا..... مسز چگانی کے ہونٹ..... کس طرح سٹ کر کھڑی تھیں..... زریںہ.....؟؟

شروانی کو اچانک زریںہ یاد آ گئی..... اسی طرح ہنستی تھی..... اس کے گلابی ہونٹ.....!! شروانی کے دل میں درد کی لہر اُٹھی..... آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا..... کمرے میں ایک مکروہ سی خاموشی چھائی ہوئی تھی..... دیوار پر بلب کے قریب ایک چھپکلی ریگ رہی تھی۔ جیم الدین کے کھانسنے کی آواز معدوم ہو گئی تھی۔ شروانی کو دل کا درد بڑھتا ہوا محسوس ہوا..... ان کے جی میں آیا زریںہ کا نام لے کر زور سے چلائیں..... لیکن شانے پر ڈھان چو کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا..... وہ ان پر جھکا اور رخسار پر رخسار رکھ دیئے.....

”بھیا..... بھیا.....!! تم اکیلے ہو.....“ شروانی کی آنکھیں بھرا آئیں..... انہوں نے خاموش

نگاہوں سے ڈھان چو کی طرف دیکھا.....

کتنا دسترس ہے بھائی تم کو احساسات پڑھ لینے میں.....!!

ڈھان چو کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے..... شروانی بھی آہستہ آہستہ بلک رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی کسی چھپکلی کی طرح ریٹنے لگی تھی..... کھٹ..... کھٹ..... بغل کے کمرے میں جیم الدین کے پاؤں گھیننے کی آواز آئی..... شائد وہ باتھ روم کے لئے اُٹھے تھے.....

”چٹ.....!“ چھپکلی نے ایک پتنگا پکڑ لیا..... اور کہیں دور ایک آواز زور سے گونجی.....

”دس ازمانی سسٹیمٹ..... مائیڈاٹ فہیم..... دس ازمانی سسٹیمٹ.....!!“

”یوکانٹ ڈو دس..... یوکانٹ.....!!“ اور شروانی کی روح میں ایک کیل ہمیشہ کے لئے

پیوست ہو گئی.....

دراصل بیٹا اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ ساری عمر باپ کے انا کی تسکین کرے.....

وہ شروع شروع کے دن تھے..... شروانی نے انجیرنگ کی ڈگری حاصل کی تھی اور ویلن نے اس کا رشتہ زریںہ سے طے کر دیا تھا۔ زریںہ حاجی برکت اللہ کی اکلوتی لڑکی تھی لیکن شروانی کو رشتہ پسند نہیں تھا۔ وہ تعلیم یافتہ گھرانے میں شادی کرنا چاہتے تھے اور حاجی برکت اللہ کا رو باری قسم کے آدمی تھے۔ فساد بھی ان کے لئے موسم گل بن کر آتا تھا۔ وہ ریلیف کمپ میں بھی چاندی کی فضلیں اگاتے تھے۔ جن دنوں اڈوانی کا تھ گھوما تھا شہر میں بڑے پیمانے پر فساد ہوئے تھے۔ جگہ جگہ ریلیف کمپ کھل گئے تھے۔ حاجی برکت اللہ نے جھٹ اپنے احاطے میں ایک کمپ کھولا اور مدد کی اپیل کی۔ گلف ممالک میں ان کے رشتے داروں نے دل کھول کر چندہ دیا۔ مسلم اداروں نے بھی رقم دی۔ حاجی نے پندرہ دنوں تک کچھڑی کھلائی اور کمبل تقسیم کیئے۔ ان کے کمپ میں طوائفیں بھی تھیں۔ نمازیوں کو ان کی موجودگی پر سخت اعتراض تھا کہ معاشرہ بگڑنے لگا ہے۔ نوجوان کمپ کے چکر کاٹتے اور رضا کاروں کی بھیڑ خواہ مخواہ

جمع رہتی۔ آخر ان کو شفٹ کرنا پڑا۔ مسلم اسکول میں ان کے لئے الگ کیمپ لگا۔ لیکن حاجی برکت اللہ نے اس جواز کے ساتھ ان کا ریلیف بند کر دیا کہ طوائفیں اب ان کے کیمپ میں نہیں ہیں۔

شہر نارمل ہوا اور کیمپ بند ہو گئے تو برکت اللہ نے سیمنٹ کی ایجنسی خریدی۔ جسیم الدین کی حاجی برکت اللہ سے پرانی شناسائی تھی۔ شروانی کے لئے زرینی ان کو معقول لگی..... امور خانہ داری میں طاق اور صوم صلات کی پابند..... اور ڈھان چوکا بھی مسئلہ تھا۔ جسیم الدین کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اس بد عقل کی گذر بسر فہیم الدین کے ساتھ ہی ممکن تھی۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت ہے۔ ان کو یقین تھا کہ زرینہ بھائیوں کے درمیان رخنہ نہیں بنے گی۔

لیکن فہیم الدین نے دبی زبان سے احتجاج کیا۔ ولین سے ان کی سیدھی بات نہیں ہوتی تھی۔ امی کے وسیلے سے ہی وہ اپنا پیغام پہنچاتے تھے۔ امی نے زرینہ کو دیکھا تھا۔ جب انہوں نے بھی تعریف کی تو شروانی بھی راضی ہو گئے۔

ڈھان چو اس رشتے سے خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار شروانی سے لپٹ کر رونے لگتا۔ ولین اس کو کئی بار جھڑک چکا تھا۔ ایک دن اس نے سختی سے ڈانٹا۔

”کیوں کرتا ہے اس طرح بد تمیز.....؟ بے ہودہ..... ایڈیٹ.....!“

شروانی کو بُرا لگا۔ ڈھان چوکا ان کی نظروں میں احترام تھا۔ انہوں نے سخت لفظوں میں احتجاج کیا۔

”امی! کیوں ڈانٹتے ہیں اس طرح.....؟ کیا کرتے ہیں بھیا.....؟ مجھ سے لپٹ کر روتے

ہیں یہی نہ.....؟ اور تو کچھ نہیں کرتے.....؟“

امی نے پلو سے آنسو پوچھے.....! اور امی کیا کر سکتی تھیں.....؟

ڈھان چو خاموش ہو گیا اور مراقبہ میں چلا گیا۔

شادی کی تیاری ہونے لگی۔ جسیم الدین کے گھر کی پہلی شادی تھی۔ ڈھان چو کی شادی کا سوال نہیں تھا اور شروانی کے بعد کوئی اولاد نہیں ہی تھی۔

گھر کا کونہ کونہ چمکا یا گیا۔ لیکن شروانی کو ایک بات بُری لگی اور ولین ترمیم کے لئے راضی نہیں ہوا۔

چھت پر چار سو گیلن کا سٹینیکس لگا تھا جس کی کنکشن پائپ شروانی کے کمرے سے لگی تھی۔ پلنتھ کی دیوار سے لگی ہوئی یہاں سے وہاں تک کمرے کی طول میں ایک انچ موٹی پائپ بد نما لگ رہی تھی۔ پائپ میں جوڑ کے قریب ساکٹ کی فٹنگ بھی ڈھیلی تھی۔ موٹر چلتا تو ہر کی آواز کے ساتھ پائپ میں تھرکن پیدا ہوتی اور ساکٹ کے پاس سے پانی ٹپکنے لگتا۔ شروانی نے امی سے کہا کہ پائپ کی فٹنگ کمرے کے باہر ہونی چاہئے۔ ولین راضی نہیں ہوا۔ لیکن امی کے بھی ذوق جمال کو پائپ کا یہ نظام گراں گذر رہا تھا۔ انہوں نے ولین سے دوبارہ التجا کی۔

”پاپ کی فٹنگ باہر سے ہوتی تو اچھا تھا.....“

”زیادہ پاپ کی ضرورت ہوگی..... خواہ مخواہ کا خرچ.....؟“

”شادی کی بات ہے..... دلہن اس کمرے میں آئیں گی.....!“

”تو کیا ہوا.....؟ ایک دن کی تو بات ہے.....“

شروانی کہنا چاہتے تھے کہ بات تو ایک ہی دن کی ہے..... یہ ایک دن زندگی میں ایک ہی بار آتا ہے..... اسی ایک دن کے لئے ہی پاپ کا ہٹنا ضروری ہے..... لیکن پامیرین کی ذات..... اپنے کمرے کی حفاظت نہیں کر سکتا..... دور سے بھوکے گا..... گھڑک دو تو اندر گھس جائے گا.....

ولین زور سے چلایا۔

”نہیں ہٹے گا کچھ بھی.....“

امی کمرے میں گھس گئیں..... شروانی باہر نکل گئے.....

ڈھان چو زیادہ دیر تک مراقبے میں رہتا..... کبھی کبھی زور زور سے بڑبڑاتا اور خاموش ہو جاتا۔ جس دن شادی کا کارڈ چھپ کر آیا ڈھان چو شروانی سے پھر لپٹ کر رونے لگا۔

”بھیا..... بھیا..... بھابھی آئی اور غائب ہو گئی.....!“

”کیا کہتا ہے کمبخت.....؟“ ولین نے پھر ڈانٹ پلائی۔

”بھابھی غائب.....؟“

”بے ہودہ..... نجس بات بولتا ہے.....“ ولین چیخا۔

ڈھان چو بھی چیخا ”بھابھی کو ابانے غائب کیا..... ابا..... ابا..... ابا.....“

ولین آپے سے باہر ہو گیا۔ پاؤں سے جوتا کھینچ کر ڈھان چو کے سر پر جڑ دیا۔

”چپ حرام زادہ..... باپ سے بات کرنے کی تمیز نہیں.....؟“

”ارے..... ارے.....“ امی رو پڑیں۔

”کیا کرتے ہیں.....؟ صوفی صفت لڑکے کو جوتے سے مارتے ہیں.....؟“

”یہ صوفی ہے.....؟ یہ ایڈیٹ ہے.....!!“

”خدا کے قہر سے ڈریئے.....!“

”منحوس ہے کمبخت۔ خوشی کے موقع پر نجس باتیں منہ سے نکالتا ہے.....“

”خدا راجپ رہیئے..... ہاتھ جوڑتی ہوں..... معاف کر دیجئے.....“ امی رو پڑیں۔

امی ڈھان چوکواس کے کمرے میں لے گئیں۔

”کیوں بولتے ہو بیٹا اس طرح.....؟ کیوں بولتے ہو.....؟“

ڈھان چوگھٹنے میں سر دے کر بیٹھ گیا۔

شروانی لرزتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈھان چو نے دھند بھری آنکھوں سے شروانی کو دیکھا اور بازو پھیلائے۔

”بھیا..... بھیا.....“ شروانی بغل گیر ہوئے اور سسک سسک کر رو پڑے.....

شروانی کے دل میں خوف سا گیا۔ امی بھی فکر مند ہو گئیں۔ لیکن جیسیم الدین شادی کی تیاری میں مگن تھے۔ ڈھان چو نے مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس کے لب جیسے سل گئے تھے۔ جیسے جیسے شادی کی تاریخ نزدیک آرہی تھی شروانی کا خوف بڑھ رہا تھا۔ آخر کیا دیکھا ڈھان چو نے.....؟ ایسا تو نہیں کہ شادی کی کالی رات ہوگی.....؟ رات کالی نہیں تھی.....

رات رنگین تھی.....

چھوٹی موٹی سی زرینہ..... سُرخ جوڑے میں لپٹی لپٹائی..... براق چہرہ..... گھنی پلکیں..... سُرخ سُرخ ہونٹ..... خوشبوؤں سے معطر کمرہ..... اور کمرے میں مدھ مدھم روشنی.....

شروانی کو اپنے دل کی دھڑکن تیز سی ہوتی محسوس ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار عورت کا قرب حاصل ہوا تھا..... جنس مخالف کا قرب.....! ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ زرینہ سے کس طرح مخاطب ہوں.....؟ وہ بس پلنگ پر بیٹھے اس کو نہار رہے تھے اور زرینہ جیسے سمٹی جا رہی تھی..... وہ اے پاؤں موڑ کر بیٹھی تھی جس کا گھٹنا کندھ کو چھو رہا تھا۔ جاگھ چھاتی سے لگی تھی اور گردن جھکی ہوئی تھی۔ آخر شروانی نے زرینہ کو چھوا اور وہ ایک دم سے سکڑ گئی۔ شروانی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ سے دبایا اور سرگوشیوں کے انداز میں بولے۔

”زرینہ.....! تم بے حد خوب صورت ہو.....!“

زرینہ زیر لب مسکرائی۔ شروانی بغل میں لیٹ گئے۔ اس کا ہاتھ اب بھی ان کے ہاتھوں میں تھا۔ ہاتھوں کا لمس ان کو بھیگا بھیگا سا لگ رہا تھا لیکن ہتھیلی کی پشت پر دست بند کا کھر در لمس بھی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے..... ایک نظر زرینہ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا..... ہاتھوں کا حسن صندلی تھا۔ مہدی سے لہکتی ہوئی انگلیوں کے پور پور میں نفرتی چھل چھک رہے تھے۔ دست بند کا سنہرا پن صندلی حسن میں اضافہ کر رہا تھا۔

”تمہارا ہاتھ بھی بہت خوب صورت ہے.....“

زرینہ پھر مسکرائی..... اس بار اس نے چورنگا ہوں سے دیکھا بھی اور شروانی کو لگا ان کے درمیان اجنبیت کم ہونے

لگی ہے۔ شروانی نے زرینہ کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ اس نے یقیناً سہرن سی محسوس کی تھی..... وہ تھوڑا اور سمٹ گئی۔ شروانی کو محسوس ہوا کہ زرینہ کا بدن آہستہ آہستہ کانپ رہا ہے۔ شروانی نے اس کو اپنے بازوؤں میں کھینچ لیا..... چوڑیاں چھن سے بچ اُٹھیں..... جھومر مل گیا..... اور زرینہ شروانی کے سینے پر دوہری ہو رہی..... وہ اپنے رخسار وں پر اس کی گرم سانوں کو محسوس کر رہے تھے..... ان کے دل و دماغ میں صندل اور حنا کی خوشبو کے ساتھ سمندر کے جھاگ جیسی مہک بھی گھلنے لگی..... رخسار تمنا نے لگے..... انہوں نے بے اختیار زرینہ کو چومنے کی کوشش کی تو ناک کی نتھ ہونٹوں سے دب گئی۔ زرینہ نے آہستہ سے رخسار سہلایا۔

”اتار دو.....“ شروانی کانوں میں پھسپھسائے.....

زرینہ خاموش رہی..... وہ ان کے سینے پر گھڑی بنی پڑی تھی..... پہلی بار ایک مرمریں جسم ان کی باہوں میں آیا تھا..... وہ جیسے سدھ بدھ کھو رہے تھے..... ایک بار پھر انہوں نے کانوں میں سرگوشیاں سی کیں..... ”زرینہ..... زرینہ.....!“

”ہڑ..... ہڑ..... ہڑ..... ہڑ.....“ زرینہ نے جیسے ڈر کر ادھر ادھر دیکھا..... شروانی بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکے..... موٹر چلا تھا..... پائپ میں زوروں کی تھرکن ہو رہی تھی..... شروانی کے جی میں آیا زور سے چلائیں.....

”یہ میرے والد محترم ہیں..... کمرے کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے..... ہر وقت اپنے وجود کا احساس دلاتے ہوئے.....!“ لیکن وہ نفرت سے پائپ کی طرف دیکھتے رہے..... ساکٹ کے قریب پانی رسنے لگا تھا.....

”سارا فرش خراب ہوگا.....“ شروانی کا غصہ اُبل پڑا۔

زرینہ اُٹھی۔ میز سے پیالہ اُٹھا کر ساکٹ کے نیچے لگا دیا..... ”گویا ہم رات بھر یہی کرتے رہیں.....!“

زرینہ ہنس پڑی..... شروانی بھی مسکرا دیئے.....

زرینہ کی ہنسی میں دھوپ کی تمازت تھی۔ شروانی کا غصہ کافور ہو گیا..... انہوں نے زرینہ کو پھر بانہوں میں کھینچ لیا..... زرینہ سب کے دل میں اُتر گئی.....

خوب صورت..... سلیقہ مند..... ہنس کھ..... وفا شعار!!

می تو جیسے بچھی جاتی تھیں..... زرینہ یہ کھا لو..... زرینہ وہ کھا لو..... زرینہ کیوں ہاتھ میلے کر رہی ہو.....؟ تمہیں کام کرنے کی ضرورت کیا ہے.....؟ زرینہ..... زرینہ.....

شروانی کو حیرت تھی کہ ایسی خوش روح برکت اللہ کے گھر میں کیسے پیدا ہوگئی.....؟ اور فرہیم الدین نے اس کا انتخاب کیسے کیا.....؟ وہ یقیناً زرینہ کی خوبیوں سے واقف نہیں ہوں گے..... ان کی نظر حاجی برکت اللہ کی دولت پر ہوگی..... شروانی کو حیرت تھی کہ دونوں میں اتنا یار نہ کیسے ہے.....؟ ایک محکمہ تعلیمات کا اعلیٰ افسر اور دوسرا حریص تاجر.....؟ شروانی کو لگتا کہ ان میں کوئی خفیہ سمجھوتہ ہے..... ان کو معلوم تھا کہ حاجی برکت اللہ نئے لوگوں کو لے کر فرہیم الدین سے ملنے گھر آتا تھا اور یہی وہ دن تھے جب جمیم الدن کے چرمی بیگ کا پیٹ پھولتا ہی جا رہا تھا۔

لیکن زرینہ شروانی کی جیسے ضرورت بن گئی تھی..... وہ ان کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی تھی۔ شروانی نوکری کا اشتہار دیکھتے تو وہ پوری دلچسپی لیتی۔ اخبار کے تراشے سنبھال کر رکھتی۔ لفافے پر ٹکٹ چپکاتی اور کامیابی کا یقین دلاتی۔ شروانی کبھی کبھی گم صم رہتے تو وہ پاس بیٹھ جاتی۔ بالوں میں کنکھنی کرتی۔

”کیا سوچ رہے ہیں.....؟“

”کچھ نہیں.....!“

”سب ٹھیک ہو جائے گا.....!“

”کیا.....؟“

”نوکری مل جائے گی.....!“

”میں تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا.....!“

”جھوٹ.....!“

”سچی.....!“

”میرے بارے میں کیا.....؟“

”تمہارے بارے میں یہ.....!“ اور شروانی اس کو بانہوں میں کھینچ لیتے۔ زرینہ ہنستی ہوئی

گود میں دہری ہو جاتی۔

”تم اتنی اچھی کیوں ہو.....؟“

”اچھے تو آپ ہیں.....!“

”نہیں تم.....!“

”نہیں آپ.....!“

”مجھے تم کہو.....!“

”تو بہ..... آپ سرتاج ہیں.....“

”کہاں پڑھا.....؟ بہشتی زیور میں.....؟“

”پڑھا تو کیا ہوا.....؟“

”اور کیا پڑھا.....؟“

”کچھ نہیں.....!“

”ماہواری کے بارے میں پڑھا.....؟“

”کیسی باتیں کرتے ہیں.....؟“

”پڑھ کر دیکھو.....! کیا لطف لے لے کر مولانا بیان کیا ہے.....!“

”اس میں زندگی کے آداب سکھائے گئے ہیں.....!“

”زندگی کے آداب یا جنس کے آداب.....؟“

”تو بہ کیجئے.....!“

”آداب سکھانے کے بہانے مولانا نے لطف لے لے کر جنس نگاری کی ہے.....!“

”جانے بھی دیجئے.....“

”قدم قدم پر فحش الفاظ..... بتاؤں کیا کیا لکھا ہے.....؟؟“

”مجھے نہیں سننا.....!“

”یہ داڑھی والے ہوتے ہیں نہ.....؟ ان سے بچ کر رہنے کی ضرورت ہے.....!“

”اس طرح کیوں کہتے ہیں جی.....؟“

”بچوں کو ان سے اُردو نہیں پڑھوانا چاہئے.....!“

”کیوں.....؟“

”اس بہانے یہ رہ کر گال چھوتے ہیں اور بد فعلیاں کرتے ہیں.....!“

”کوئی اور بات کیجئے.....“

”حد تو یہ ہے کہ مذہبی کتابوں میں بھی جنسی اشتہار نظر آتے ہیں..... دین دنیا اور آستانہ میں

تو ان کی ہمارا ہوتی تھی۔ جریانی پی لو..... مالئم..... معجون مقوی..... معجون مرکب.....

قوت باہ بڑھانے کی دوا..... کشتہ اعظم..... ایسا لگتا ہے کہ طرح طرح کی جنسی بیماریاں

اُردو معاشرے میں ہی ہوتی ہیں..... جنتری میں بھی یہی سب ہوتا ہے..... یہاں تک کہ

پنڈت کو کا کا اصلی کوک شاتر بھی نظر آتا ہے۔“

”کوئی اچھی بات کیجئے.....“ زربینہ جھنجھلا جاتی۔ لیکن اس کی جھنجھلاہٹ میں بھی جیسے چاشنی

گھلی ہوتی..... شروانی اس کو اپنی بانہوں میں بھر لیتے اور کانوں میں فحش الفاظ دہراتے

..... زربینہ کا چہرہ کانوں تک سُک ہو جاتا.....

شروانی کوئٹھ میں عجیب لذت ملتی تھی..... اکثر ان کو حیرت ہوتی کہ زرینہ ان کی کتنی اپنی ہے..... وہ اس کے ساتھ کسی طرح کی بھی گفتگو کر سکتے ہیں..... جس طرح چاہیں پیش آ سکتے ہیں..... ان کو لگتا کہ زرینہ کو انہوں نے جیسے اپنی پسلی سے پیدا کیا ہے کہ جب جی چاہا اس کو اپنے وجود سے باہر لایا..... اس کے ساتھ راس رچایا اور پھر خود میں ضم کر لیا.....

زرینہ پر اپنی ملکیت کا احساس ان کو عجلہ عروسی میں ہوا تھا۔ ان آتشیں لحوں میں جب وہ بے سدھ ان کے سینے سے لگی تھی..... اور پابستہ پرندوں کی پکار پر فطری قدم آگے بڑھا تھا..... صنف نازک کی طرف صنف بہتر کا پہلا قدم..... زرینہ تڑپ کر شروانی سے لگ گئی تھی اور آہستہ آہستہ سمندر کے زیرِ بلب شور میں سانسوں کی مدھم سرگوشیاں ضم ہونے لگی تھیں.....

وہ لمحہ زرینہ کا اچانک کرب سے تڑپ اٹھنا..... اور شروانی کو پہلے قدم کی کامیابی کا احساس..... صنف بہتر کا صنف نازک پر ملکیت کا احساس تھا..... شروانی کو لگا انہوں نے فتح کر لیا..... فتح..... اور اب یہ چیز ان کی اپنی ہے۔ لیکن ستم ظریفی بھی اپنا وجود رکھتی ہے..... ہمیشہ گھات میں ہوتی ہے ستم ظریفی..... وقت کی دیوار پر چھکی کی طرح ریگتی ہوئی.....!!

ان دنوں جسیم الدین کی چاندی تھی..... وہ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کا چرمی بیگ پھولتا ہی جا رہا تھا..... وزیر تعلیمات سے بھی اچھی ربط ضبط تھی۔ لیکن خود وزیر کی اعلیٰ کمان سے کچھ تناہی تھی..... وہ اعلیٰ کمان سے ”بھینٹ“ نہیں کر رہے تھے..... جسیم الدین کو خدشہ تھا کہ وزیر کبھی بھی بدلے جاسکتے ہیں۔ کچھ تعلیمی ایسے بھی تھے جہاں سے فرضی سند جاری ہو رہے تھے۔ یہ معاملہ روشنی میں آیا تو وزیر تعلیم ذمہ لے آ گئے۔ اعلیٰ کمان مسکرائے اور وزیر کے پی اے کے گھر چھاپاسی بی آئی کا پڑا..... کچھ جعلی دستاویز برآمد ہوئے اور دھسم ٹس گنی بیگ..... پی اے نے بیان دیا کہ رقم پارٹی فنڈ کے لئے جمع کی گئی ہے۔ وزیر نے دامن جھٹکا کہ یہ پی اے کا نجی معاملہ ہے۔

فسروں میں سر اسیمگی تھی۔ جسیم الدین بھی خوف زدہ تھے..... ایک دن خبر ملی کہ ان کے گھر کل ہی چھاپا پڑے گا۔ انہوں نے راتوں رات اپنا اثاثہ ایک سوٹ کیس میں بھرا اور حاجی برکت اللہ کے یہاں پہنچے۔ حاجی برکت اللہ سے ان کا گہرا راندہ تھا۔ وہ ان پر بھروسہ کر سکتے تھے۔ سوٹ کیس بطور امانت ان کے پاس رکھا کہ کچھ دنوں بعد لے جائیں گے۔ زرینہ وہاں محرم کا چاند دیکھنے لگی ہوئی تھی۔ چھکی دیوار پر بیٹ اوچی ریگ گئی.....

جسیم الدین کے گھر کوئی چھاپا نہیں پڑا۔ خطرہ جب ٹل گیا تو سوٹ کیس لینے برکت اللہ کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت نماز پڑھ کر اٹھے تھے اور تسبیح کے دانے کھٹکھٹا رہے تھے۔ تسبیح ختم کی اور مخاطب ہوئے۔

”کیسا سوٹ کیس.....؟“

”کیسا سوٹ کیس.....؟؟“ جسیم الدین کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”آپ نے ایک خالی سوٹ کیس دیا تھا.....!“

”خالی سوٹ کیس.....؟ آپ ہوش میں تو ہیں.....؟“ لیکن ہوش خود جسیم الدین کے اڑ گئے تھے۔

”آپ نے ایک خالی سوٹ کیس دیا تھا جو میں نے زرینہ کو دے دیا۔“

”میں نے بھرا ہوا سوٹ کیس دیا تھا کہ کچھ دنوں کے بعد لے جاؤں گا.....؟“

”جی نہیں!“

”شرم نہیں آتی..... حاجی ہو کر بے ایمانی کرتا ہے.....؟“

”خاموش!“ برکت اللہ گرجے۔

جسیم الدین آپے سے باہر ہو گئے۔ حاجی برکت اللہ کی داڑھی پکڑ کر زور سے کھینچا۔

”یو راسکل.....! سن آف بچ.....!“

حاجی برکت اللہ نے ایک گھونٹہ جسیم الدین کے پیٹ میں جڑا دیا..... جسیم الدین درد سے بلبلائے..... چاہا جو تاحول کر ماریں لیکن برکت اللہ نے لات سینے پر جما دیا۔ جسیم الدین زور سے چیخے..... شور سن کر گھر والے جمع ہو گئے۔ پڑوسی کی کھڑکیاں بھی کھل گئیں..... زرینہ کھڑی خوف سے تھر تھرا کر نپ رہی تھی۔ جسیم الدین زور کو دیکھ کر زور سے چلائے۔

”باسٹر! تجھے بیٹی کا بھی خیال نہیں! اب ساری عمر اس کو بیٹھا کر رکھ.....“

حاجی برکت اللہ پھر گرجے۔

”خاموش بد تمیز.....! دھمکی دیتا ہے.....؟“

پڑوسیوں نے مشکل سے بچ بچاؤ کیا۔

جسیم الدین بیچ و تاب کھاتے ہوئے خالی ہاتھ گھر لوٹے اور جلتی ہوئی سلاخ شروانی کی روح میں پیوست کر دی۔

”باسٹر ڈبرکت از اللہ نے میرے ساتھ جو کیا وہ کمینہ سے کمینہ شخص بھی نہیں کرے گا۔ اب

اس کے گھر سے رشتہ نہیں رہ سکتا۔“

شروانی سکتے میں آ گئے۔

”سن لو فہم! تم اب زرینہ سے کبھی نہیں ملو گے..... نہ ہی وہ اس گھر میں آئے گی..... تم اس

کو طلاق بھی نہیں دو گے.....!“

”کچھ سن رہے ہو.....؟؟“ ویلن پوری شدت سے چلایا۔

شروانی کے سینے میں درد کی ایک بڑ زور لہر اٹھی۔ ان کو لگا وہ غش کھا کر گر پریں گے.....

”تم میری اولاد ہو..... میں نے تمہیں پیدا کیا..... کیا تم میرے سینٹیمنٹ کا خیال نہیں رکھو

گے.....؟؟“

”تم اب اس لڑکی سے کبھی نہیں ملو گے..... یو کین ناٹ ڈو دِس..... یو کین نیور..... دِس از

مائی سینٹیمنٹ.....“

”مانسٹر اٹ فہیم.....! دِس از مائی سینٹیمنٹ.....“

”امی.....!!“ شروانی کے منہ سے دل خراش چیخ نکلی..... وہ غش کھا کر گر پڑے..... ڈھان

چو چلایا.....

”ابا..... ابا..... ابا.....“ اس کی آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں..... وہ دوڑ کر شروانی سے لپٹ

گیا.....

امی تھر تھر کانپتی رہیں..... پھر سجدے میں چلی گئیں.....

”یا معبود..... رحم کر..... یا مولا.....“

مولارحم کرتا ہے۔ آدمی نہیں کرتا..... حاجی برکت اللہ نے اینٹی ڈاوری ایکٹ کے تحت جسیم الدین پر مقدمہ دائر کر دیا

..... تھانے میں سانحہ درج کرایا کہ جہیز کی رقم مانگنے آئے..... رقم نہیں ملنے پر مار پیٹ کی اور لڑکی کو چھوڑ کر چلے گئے.....

گواہ میں پڑوسی کے نام پیش کئے.....

جسیم الدین کی ضمانت نہیں ہو سکی..... وہ نوکری سے بھی برخاست ہوئے..... لیکن قدرت ایک دروازہ بند کرتی ہے تو

دوسرا کھولتی ہے۔ شروانی کو وائریسوس میں ملازمت مل گئی..... وہ اسٹنٹ انجینئر کی حیثیت سے پہلی بار سینٹا گنج میں

تعینات ہوئے۔

گھر کا بوجھ اب شروانی کے کانھوں پر تھا۔ وہ جب گھر پر ہوتے تو ڈھان چوکی خاموش نگاہیں ان میں ان کی تنہائی

ٹھونکتی تھیں..... وہ اکثر اپنے رخساران کے گالوں پر ٹکا دیتا ”..... بھیا..... بھیا.....!!“

آج بھی جب وہ اداس لوٹتے تھے تو ڈھان چو کے پیار بھرے لمس سے شروانی کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئی تھیں.....

”کتنا دسترس ہے بھائی تم کو احساسات پڑھ لینے میں.....“

﴿ ۴ ﴾

شروانی نے دوسرے دن مرّمت مد سے دس ہزار کی رقم کی نکاسی کی اور ساز و سامان کے ساتھ ایک جوئیر انجیر کو مسز چگانی کے یہاں تعینات کیا۔ لیکن اداسی ان پر طاری تھی۔ وہ بھی راجدھانی چلے آئے۔ یہاں ایک نجی کام بھی تھا۔ پی ایف سے قرض کی درخواست چیف آفس میں دی تھی اور سکرپیٹ ایسی جگہ ہے جہاں سب کا عمل نامہ درج ہوتا ہے۔ یہاں زنجیر چراسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے.....

عرضی ابھی تک ڈائری نہیں ہوئی تھی..... اس کام میں سو روپے خرچ ہوئے۔ لیکن جو کلرک فائل ڈیل کرتا تھا وہ اونچی چیز تھا۔ شروانی کو دیکھتے ہی اس نے تھالی بجائی۔

”ٹن..... ٹن.....“

”دو ہزار.....“

”بہت ہے.....!“

”ایک ہزار بڑا بابو لے گا.....؟“

”پندرہ سو.....“

”نہیں.....!“

شروانی نے پرس نکالا

”سرٹپ.....!“

فائل ڈیل ہوئی..... لیکن سکرپیٹ کی ٹیبل تک کون لے جائے گا.....؟ چراسی کھینچ ملتا رہا.....

”ٹن..... ٹن..... بیس روپے.....!“

سیکرپیٹ بھلا مانس تھا۔ اس نے کورزی نہیں کی۔ لیکن فائل وہاں سے نکلی تو کھجور میں اٹک گئی۔ فنانشیل اڈوائزری کمیٹی کی صلاح ضروری تھی۔ وہاں کا ہیڈ کلرک اتر کر چلتا تھا.....

”دو ہزار.....“

”پندرہ سو.....“ شروانی گھگھیا۔

”دو ہزار.....“

”پلیز.....!“

ہیڈ کلرک مسکرایا۔ اس نے اوپر سے نیچے تک شروانی کو دیکھا۔

”آپ ورکس میں ہیں.....؟“

”ورکس کہاں بھائی..... سبھی نن ورکس ہیں.....!“

”کیوں.....؟“

”فنڈ کہاں.....“

ہیڈ کلرک پندرہ سو پر راضی ہوا۔ فائل کمنٹ کے بعد پھر سکرٹری کے پاس پہنچی۔ ایک لاکھ منظور ہوئے۔ شروانی نے راحت کی سانس لی۔ لیکن کام ابھی بھی ادھورا تھا۔ آرڈر ٹائپ ہونا باقی تھا..... شروانی ٹائپسٹ کے پاس پہنچے۔

”ٹن..... ٹن..... دو سو.....“

”ایک سو.....“

”ٹن..... ٹن..... دو سو.....“

”ڈیڑ سو.....“

”سڑپ.....!“

ٹائپ شدہ ڈرافٹ دستخط کے لئے سکرٹری کے پاس گیا تو سیکشن میں نہیں لوٹا۔ شروانی بہت چھٹپٹائے کہ ڈرافٹ آخری مرحلے میں کہاں گیا.....؟ معلوم ہوا کہ سیل کا بڑا بوکنڈلی مارے بیٹھا ہے..... کسی طرح دو سو روپے میں پنڈ چھوٹا..... لیکن فائل تو چہر اسی ہی لے کر سیکشن میں آتا ہے۔ وہ سکرٹری سیل کا چہر اسی تھا۔ اس کا رتبہ بلند تھا۔ وہ بیس روپے میں راضی نہیں ہوا..... پچاس روپے..... فائل سیکشن میں لوٹی۔ لیکن مورچہ ابھی بھی سر نہیں ہوا تھا۔ ڈرافٹ پر آرڈر نمبر درج ہونا باقی تھا۔ وہ اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ شروانی اس کی ٹیبل پر پہنچے.....

”ٹن..... ٹن..... چار سو.....!“

شروانی کو غصہ آ گیا۔

”چار سو کس بات کے.....؟ کوئی ٹھیکے دار کا بل ہے کیا.....؟؟“

”ہاتھوں ہاتھ دینے کا قانون نہیں ہے.....!“

”یہ میری جمع شدہ رقم ہے جو ہر ماہ تنخواہ سے جمع ہوتی ہے.....“

”یہ بلیک منی کو ہائٹ کرنے کا طریقہ بھی ہے.....!“ ایڈوکلرک مسکرایا۔

”چار سو روپے صرف نمبر چڑھانے کے.....؟“

”میں ڈاک سے بھیج دوں گا.....!“

”دوسو.....“

”آپ اپنی کاپی لے لیجئے..... ٹریری کاپی ڈاک سے جائے گی.....“

شروانی کا ماتھا ٹھکا۔ ڈاک سے جانے کا مطلب ہے گم ہو جانا۔ ایشوکلرک کسی طرح تین سو پر راضی ہوا۔ شروانی نے حساب لگایا..... چار ہزار تین سو بیس روپے..... آنے جانے کا خرچ الگ.....!! اچانک شروانی کو اسٹور کیپر کے گلے میں پٹہ نظر آیا..... سالادھڑلے سے پائپ بیچ رہا ہے.....!! شروانی جہان نگری آئے تو سیدھا اسٹور گئے۔ اسٹور کیپر پائپ ناپ رہا تھا۔ شروانی کو اچانک سامنے دیکھ کر اس کو حیرت ہوئی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ شروانی نے ایک نظر پائپ کے اسٹیک پر ڈالی۔ کسی میں ساکٹ نہیں تھے۔

”ساکٹ کیوں نہیں ہیں.....؟“ شروانی نے پوچھا۔

”ساکٹ چوری ہو جاتے ہیں حضور..... اس لئے کھول کر رکھ لیا ہے۔“

”چوری ہو جاتے ہیں یا آپ لوگ بیچ دیتے ہیں.....؟“

اسٹور کیپر نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر چوکیدار کی طرف بڑھایا۔

”ٹھنڈا لاؤ.....“

”اس کی ضرورت نہیں ہے.....“ شروانی نے ہاتھ کے اشارے سے چوکیدار کو روکا۔

”حضور پہلی بار آئے ہیں.....!“

”ساکٹ کہاں گئے.....؟“ شروانی کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔

اسٹور کیپر ان کو اندر لے گیا اور بوری دکھائی جس میں ڈیرھ انچ کے ساکٹ بھر ہوئے تھے۔

”یہ بوری ابھی اسٹور میں ہے کل بازار میں جائے گی..... کیوں.....؟“ شروانی تکیھی

مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

”ایسی بات نہیں ہے سر.....!“

”یہی بات ہے.....! آپ کے پائپ ناپنے کا طریقہ بھی غلط ہے..... ہاف وی ساکٹ

نانا چاہئے.....“

”آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا سر.....!“

”فیتہ لائیے.....!“

شروانی نے جیب سے اپنا اسٹیل ٹیپ نکال کر فیتہ چیک کیا۔ فیتہ میں ڈیرانچ کا فرق تھا۔

”آپ کا فیتہ ہی فالٹی ہے۔ اس طرح آپ ایک لینتھ پائپ میں ڈیرھ انچ مار لیتے ہیں

اور ساکٹ الگ.....؟“

”حضور کام تو اسی طرح ہو رہا ہے اور میں آپ لوگوں کی سیوا میں ہر وقت تیار رہتا ہوں“.....

”آپ کے خلاف کمپلین ہے۔ بیس سو تری منتری اسٹور کی انچ کریں گے.....؟“
”حضور میں بھومی ہار ہوں اس لئے جانچ ہوگی۔ یادو ہوتا تو جانچ نہیں ہوتی.....“
دفتر کے چراسی نے آکر خبر دی منتری جی سرکٹ ہاؤس میں یاد کر رہے ہیں۔ شروانی دل ہی دل میں مسکرائے۔
شیطان کو یاد کرو تو شیطان حاضر ہو جاتا ہے..... انہوں نے اپنا لہجہ سخت کیا۔
”آگئے منتری جی.....! کروادوں انکوارری.....؟“
اسٹور کیپر کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔
”اس سے پہلے جوائیز کیٹو تھے حضور ان کی سیوا کر دیا کرتا تھا..... حضور سے بھی بھینٹ کر لوں گا.....“

”منتری جی آپ کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے۔ کئی بار آپ کو بدلنے کے لئے کہہ چکے ہیں۔
ان کا کچھ ڈیمانڈ ہے۔ فی الحال پانچ ہزار کا انتظام کیجئے.....!“
”جو حکم.....!“ اسٹور کیپر مسکرایا۔



شروانی سرکٹ ہاؤس پہنچے۔ برآمدے میں کچھ سفید دھاری بیٹھے ہوئے تھے۔ مکمل ناتھ منڈل کمرے میں تھا۔
شروانی کو اندر بلوایا۔ وہاں ایک نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ اس کی شکل مکمل ناتھ منڈل سے ملتی تھی۔ لیکن وہ کھادی کے
لباس میں نہیں تھا۔ وہ شرٹ اور پتلون میں تھا۔ اس نے شروانی کو پرنام کیا۔ شروانی نے مکمل ناتھ منڈل کو پرنام
کیا۔

”ضلع میں شو چالیہ کی یو جتنا تو ہوگی.....؟“ مکمل ناتھ منڈل نے پوچھا۔
”جی ہاں!“

”کتنے شو چالیہ بنیں گے.....؟“

”ایک ہزار.....“

”فٹ.....؟“

”سینٹر سے تیس لاکھ روپے ملے ہیں۔“

”یہ کام ان کو دیکھئے.....“ مکمل ناتھ منڈل نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔
”ہمارے یہاں صرف رجسٹرڈ ٹھیکہ دار ہی کام کر سکتے ہیں.....“
”سب کو اس ہے۔ آپ کے یہاں صرف بھومی ہار اور راجپوت ہی کام کر سکتے ہیں آخر
دلت کہاں جائے گا.....؟“
”ان کو رجسٹریشن کرانا پڑے گا۔“
”آپ لوگ ڈپارٹمنٹل کام بھی تو کرتے ہیں.....؟“
”جی ہاں!“
”تو ان سے کروائیے.....؟“
”جونیر انجیر کرتا ہے۔“
”جونیر انجیر انہیں سے کام لے گا“
شروانی چپ رہے۔

”ایک بات سمجھ لیجئے! اگر یہ کام نہیں کریں گے تو کوئی نہیں کرے گا..... وہ منسلاٹ بیلٹ
ہے۔ جو ٹھیکہ دار جائے گا گاؤں والے مار بھگا دیں گے اور چندہ بھی دینا پڑے گا.....!“
”مجھے انہیں کام دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کاغذ درست رہے۔“
”یہ آپ کا کام ہے۔“
”شوچا لیا ایسے لوگوں کے یہاں بنے گا جو غربی ریکھا سے نیچے ہیں اور اس کی فہرست ڈی
ایم سے ملتی ہے۔“
”فہرست مل جائے گی.....!“
”ایک پرابلم اور ہے۔“
”کیا.....؟“

”ہم لوگ سوئم سیوی سنسٹھان کو کام نہیں دیتے۔ ہمارے یہاں کنٹریکٹ سسٹم ہے۔ کام
ٹینڈر کے ذریعہ ملتا ہے۔ کنٹریکٹر ایگرمنٹ کرتا ہے..... سیکوریٹی منی جمع کرتا ہے۔ تب
اس کو ورک آرڈر ملتا ہے.....“

مکمل ناتھ منڈل طیش میں آ گیا۔

ٹھیکہ داری پر تھا سامنت وادی پر تھا ہے۔ سوئم سیوی سنسٹھان اس لئے بنی ہے کہ بے
روزگاری کی مسیاحل ہو..... بی ڈی او آفس جا کر دیکھئے..... جواہر روزگار یوجنا ہو یا کوئی

بھی یوجنا..... سارا کام سوئم سیوی سنسٹھان کر رہی ہے..... اور آپ لوگ نخرہ دیکھا رہے ہیں.....؟“

”برے پھسے.....!“ شروانی نے دل ہی دل میں سوچا..... سالاکام کرے گا نہیں..... پیسہ کھا جائے گا..... اور سپینڈ ہوں گا میں.....!“

”آپ کی یہ مشکل بھی آسان کر دوں گا.....!“ یکا یک مکمل ناتھ منڈل مسکرایا۔

”کیا.....؟“

”میں آپ کے وبھاگ سے آدیش لادوں گا کہ یہ کام سوئم سیوی سنسٹھان سے لیں.....“

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.....؟ شروانی پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولے۔

وہ چلنے لگے تو نوجوان ان کو چھوڑنے گاڑی تک آیا۔

”منتری جی سے آپ کا سمبندھ.....؟“

”چھوٹا بھائی ہوں سرکار..... شیاام لال منڈل.....!“

”منسٹر کے بھائی ہو کر آپ ٹھیکہ داری کریں گے.....؟“

”یہ تو سماج سیوا ہے حضور.....“ منتری کے بھائی نے دانت پوڑے۔

شروانی مسکرائے..... ”ڈوم شو چالیہ میں لکڑی کھاتا تھا..... نیتا شو چالیہ میں چاندی اُگائے گا.....

شیاام لال دوسرے دن فہرست کے ساتھ حاضر تھا..... اور شروانی دلدل کے بہت قریب تھے..... ان کو یقین تھا کہ فہرست ان کی نہیں تھی جو غریبی ریکھا سے نیچے تھے بلکہ ان کی ہوگی جن کے گھروں میں شو چالیہ پہلے سے بنے ہوئے تھے.....

شیاام لال نے سمجھایا کہ فہرست ڈی ایم نے دی ہے تو ڈی ایم جانیں..... اور ڈی ایم کی بھی کیا ذمہ داری ہے کہ یہ تو بی ڈی او نے بنائی اور بی ڈی او بھی کیا کرے کہ سروے تو پچانت سیوک نے کی ہے.....!

”لیکن میری تو ذمہ داری ہے کہ اس کی جانچ کروں.....؟“

”حضور جب ڈی ایم نے دستخط کر دیا تو آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی.....!“

شروانی کو لگا وہ کالک کی کوٹھری میں قید ہیں جہاں سے بے داغ نکلتا مشکل ہے۔

”کام جلدی ہو جاتا تو اچھا تھا۔ رات میں عورتوں کو میدان جانا پڑتا ہے۔“

”تمیں لاکھ کا کام بغیر ٹینڈر کے کیسے ہو سکتا ہے.....؟“

”حضور علاقہ نکسلانٹ کا ہے۔ دوسرا آدمی کام نہیں کر سکتا.....!“

”لیکن سوئم سیوی سنسٹھان سے بھی ہم بغیر ٹینڈر کے کوئی کام نہیں لے سکتے..... ایسا کوئی

قانون نہیں ہے.....!“

”قانون.....؟؟“ شیا م لال کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں..... اس کا لہجہ بدل گیا۔

”بہت جلد یہ آدیش بھی مل جائے گا۔“ وہ گُرسی سے اُٹھ گیا۔

شروانی نے گردن پر ناخن کی تیز دھار محسوس کی۔ ان کو لگا ایک شکنجہ سا ان کے ارد گرد کسے لگا ہے..... قدم قدم پر سیاست کے بازی گروں کی مداخلت..... منڈلاتے گلدھ..... دھار دار پنچے.....؟ شروانی عدم تحفظ کے احساس سے بھرا اُٹھے..... ان کو وحشت سی محسوس ہوئی..... وہ کام ادھورا چھوڑ کر دفتر سے اُٹھ گئے.....! لیکن کہاں جاتے.....؟

گھر.....؟

گھر میں سناٹا تھا..... ڈھان چوان دنوں خاموش تھا۔ پہلے جب کبھی شروانی گھر پر ہوتے تو وہ ایک بار کمرے میں ضرور جھانکتا..... کبھی کبھی کوئی شعر بھی گنگنا تا۔ لیکن اب تمام باتوں سے ایک دم بے نیاز تھا۔ ہسٹری کی ایک موٹی سی کتاب اس کو ہاتھ لگی تھی۔ وہ رات دن مطالعہ میں غرق رہتا..... کبھی کسی عبارت کے نیچے پینسل سے لکیریں کھینچتا..... کبھی ڈائری میں کچھ نوٹ کرتا..... امی رات دن مصلے پر بیٹھی تسبیح کے دانے کھٹکھٹاتی رہتیں اور جسیم الدین بستر پر پڑے رہتے..... ان کی آنکھوں میں گذشتہ پندرہ برسوں سے ایک خوف برف کی گٹھلی کی طرح جما ہوا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ فہیم اُدھر رجوع ہوں گے.....؟ باپ اور بیٹے کی نگاہیں جب بھی ملتیں بیٹے کے لئے باپ کی آنکھوں میں ایک یہی پیغام ہوتا..... اور شروانی ایک الجاپن ساحسوس کرتے..... انہیں لگتا جیسے جال بنتی ہوئی مکڑی نے اپنا لعاب دہن ان کے ہاتھوں پر مل دیا ہے.....!

اور زرینہ.....؟

زرینہ مستقل وہم کی طرح کمرے میں موجود ہوتی.....! خصوصاً اس وقت جب شروانی تناو میں ہوتے اور زرینہ پہلو میں ہوتی..... بالوں میں انگلیاں پھیرتی اور پیار سے تسلی دیتی.....

”ٹھیک ہو جائے گا..... سب ٹھیک ہو جائے گا.....!“

”کیا ٹھیک ہو جائے گا.....؟ یہ سالے لُٹیرے..... یہ سیاسی گُر گے.....؟؟“

”اللہ کی حفاظت ہے..... کیوں دل چھوٹا کرتے ہیں.....!“

”اللہ.....!“

”لڑکا دی گئی معصومیت انا کی سولی پر اور اللہ دیکھتا رہ گیا.....!“

”ماسٹراٹ فہیم.....! یو کین ناٹ میٹ ہر.....! یو کین نیور.....!!!“

شروانی نے کچھ دنوں کی چھٹی لی اور راجدھانی چلے آئے۔ وہ کچھ دن گھر سے باہر گزارنا چاہتے تھے..... تمام
الجھنوں سے دور..... وہ چیف آفس بھی نہیں گئے۔ ایک گنم سا ہوٹل لیا۔ اصل میں زرینہ کی یاد ان دنوں شدت
سے آرہی تھی۔ وہ اس کے تصور میں کھوئے رہنا چاہتے تھے۔ یہ گھر پر ممکن نہیں تھا۔ بغل کے کمرے میں جسم الدین
کے مسلسل کھانسنے کی آواز ان کے وجود کا احساس دلاتی تھی۔

شروانی کو لگتا جیسے وہ کھانس نہیں رہے ہیں فرمان جاری کر رہے ہیں کہ ”مانٹھاٹ فہیم.....! یوکیں ناٹ میٹ ہر
.....! یوکیں نیور.....!“

شروانی ہوٹل کے کمرے میں بند ہو گئے..... دھند کی تہیں آہستہ آہستہ جیسے دبیز ہوتی گئیں..... اور شروانی نے دور
کہیں خواب میں پکارا.....
”زرینہ..... زرینہ.....!“

زرینہ کی سسکیاں ابھریں.....

”میں بے وفا نہیں ہوں.....!“

”میری روح کی گہرائیوں میں ایک کیل پیوست کر دی گئی ہے زرینہ.....! میں اس کا کیا
کروں.....؟“

”سرتاج! مجھے اپنے پاس بلا لیتے.....“

”آپ کا سارا غم پی جاتی.....“

”سارا دکھ اوڑھ لیتی.....!“

”اف!“ شروانی تڑپ اٹھے۔ زرینہ کو آغوش میں بھینچا..... لب و رخسار پر بوسوں کی بارش
کی.....

”تمہیں کیسے سمجھاؤں.....! میں تمہیں چھو بھی نہیں سکتا.....“

”میرا کیا قصور.....؟“

”تمہارا کوئی قصور نہیں!“

”مجھے کس گناہ کی سزا دی گئی.....؟“

للہ! مجھے اپنے پاس بلا لیجئے.....!“

”اف.....!“ وہ پھر تڑپ اٹھے..... ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے.....

زرینہ بھی سینے سے لگ کر بلکتی رہی۔

”ہر ذی روح کی قسمت میں ہے ایک ناکردہ گناہ کی سزا.....“

شروانی نے زرینہ کی پلکوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے..... زرینہ ان کی بانہوں میں کچھ اور سمٹ آئی..... آہستہ آہستہ

ان کی سانسیں تیز ہونے لگیں.....

شروانی جلد ہی گہری نیند سو گئے.....!!

﴿ ۵ ﴾

سی ایم کمپاؤنڈ میں جب درختوں کے پتے زرد ہونے لگتے ہیں تو مسیحا ریلی منعظم کرتا ہے۔ اور اسٹیٹ میں خزاں کی آمد آمد ہے مرکز میں زمین سخت ہے اور آسمان سُرخ مخالف سمت سے آنے والی ہواؤں میں شورش بڑھ گئی ہے۔ رہ رہ کر سیاہ بادل منزل لانے لگتے ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ مسیحا اپنے بازوؤں کی ابھر ہوئی مچھلیوں کا مظاہرہ کرے..... مسیحا غریب اور بچھڑے طبقے کی مہاریلی بلائی ہے۔ مسیحا کوریلی کا تجربہ ہے۔ ۴۷ء کے آندولن میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ان دنوں بی جے پی کی آواز پر عوام لبیک کہتی تھی۔ انتظامیہ روڑے اٹکاتا رہ جاتا اور لوگوں کا جم غفیر گاندھی میدان میں اٹھ اچلا آتا۔ اب دور پٹے اور زنجیر کا ہے۔ اب انتظامیہ متاثر بھی ہے اور تماشائی بھی اور درریلیوں کا ہے..... ریلیاں ہی ریلیاں..... منڈل کمیشن سمرقن ریلی..... غریب ریلی..... بھنڈا پھوڑ ریلی..... سد بھارنا ریلی..... بچھڑا ورگ ریلی..... کرمی چیتنا مہاریلی..... مہنگائی وروڈھی ریلی..... ایک جھٹاریلی.....

تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی ہیں۔ ایم اے اور ایم پی اپنے اپنے علاقے میں تعینات ہیں۔ بھیڑ جٹانے کا کوٹا طے ہو گیا ہے۔ رضا کار فعال ہو گئے ہیں۔ اسٹیٹ بھر میں چندہ وصولی کی مہم شروع ہو گئی ہے۔ فہیم الدین شروانی روپوش ہو گئے ہیں لیکن ان کا اسٹیٹ انجنیر پکڑا گیا ہے۔ اس سے بیس ہزار کی رقم وصول کی گئی ہے۔ پی ڈیو ڈی والوں نے پنڈال میں بھوجن کرانے کا ذمہ لیا ہے۔ بیوپاریوں اور دکانداروں کے علاوہ مقامی افسروں کی بھی فہرست تیار کی گئی ہے۔ بڑے بیوپاریوں سے منسٹر اور ایم اے بات کرتے ہیں اور چھوٹے دکانداروں سے رضا کار نپٹتے ہیں کچھ ایک شرگرا کر بیٹھ گئے ہیں لیکن جن کا فون نمبر دستیاب ہے وہ کہاں جائیں گے.....؟

اس دوران یہ خبر شائع ہوئی کہ جبراً چندہ وصول کیا جا رہا ہے۔ لیکن فوراً اس کی تردید میں ایک بیان بھی شائع ہوا ہے کہ ایسی کوئی رپورٹ تھانہ میں درج نہیں ہے بلکہ غریبوں کی لڑائی پر یقین رکھنے والے ہنسی خوشی تعاون کر رہے ہیں

ضلع انتظامیہ نے اسکول پر قبضہ جمالیا ہے تاکہ حفاظتی دستہ وہاں قیام کر سکے پرائیوٹ اسکول بھی بند کر دئے گئے ہیں۔ نزدیک کے ضلعوں سے پندرہ کمپنی حفاظتی فورس منگوا لیا گیا ہے جس میں ملٹری پولیس اور نیم فوجی دستہ بھی شامل ہے۔ مسیحا کا خیال ہے کہ راستوں اور گاندھی میدان کی حد بندی کے دوران حفاظتی دستہ کو موجود ہونا چاہئے تاکہ انتظام چست درست ہو سکے۔

گاڑی پکڑوا بھیان بھی جاری ہے۔ رضا کار چھپی وین میں لدلہ کر بس اسٹینڈ پہنچ رہے ہیں۔ بس کو مسافروں سے خالی کروا رہے ہیں۔ جوڈرائیور چلنے کو تیار نہیں ہوتا اس کی پٹائی ہو جاتی ہے۔ ایک بڑھا خواہ پٹ گیا ہے۔ پہلے دن ستر بسیں ضبط ہوئیں۔ تیس گیٹ نمبر سات سے..... لیکن بھارت ٹریولز کا مالک اڑ جاتا ہے اس کے آدمی بھی ہتھیار سے لیس ہیں۔ مسیحا کے رضا کار اس وقت تو لوٹ جاتے ہیں لیکن کچھ دیر بعد کمک لے کر آدھمکتے ہیں۔ اس دوران بھارت ٹریولز کا مالک اپنی بس کے ساتھ فرار ہو چکا ہے۔ بس اڈے پر ہو کا عالم ہے۔

گاندھی میدان کی طرف جانے والی سڑکیں پوسٹ بینروں اور ہورڈنگوں سے پٹی پڑی ہیں۔ جگہ جگہ بلند دروازے بنے ہیں۔ مہاتما گاندھی دروازہ..... سردار بلیمھ بھائی پٹیل دروازہ..... امید کر دروازہ..... جے پرکاش نارائن..... سبھاش چندر بوس..... برسامنڈا..... پیرعلی..... بی پی منڈل اور سیمانٹ گاندھی دروازہ.....

ریلی کی تیاری اب آخری مرحلے میں ہے۔ رہنماؤں نے گاندھی میدان میں میٹنگ کی ہے۔ میٹنگ میں ضلع مجسٹریٹ کے علاوہ وائر بورڈ اور پی ڈیوڈی کے انجنیر بھی موجود ہیں۔ اس بار منیج اور گھیرا بندی کے کرتا دھرتا بدل گئے ہیں۔ گھیرے کا دائرہ پہلے کی بہ نسبت بڑھا دیا گیا ہے اور آخری سرے تک حد بندی کی گئی ہے جب کہ پہلے حد بندی کم دور تک تھی اور لوگ میدان میں گاڑیاں لے کر پہنچ جاتے تھے۔ اس بار گاڑی سے اندر آنا مشکل ہوگا۔ منیج کے سامنے والے گھیرے میں تار کی جالی لگائی گئی ہے۔ دوسرے رہنما بھی معائنہ کر رہے ہیں۔ لیکن پی ڈیوڈی کا منتزری کہیں نظر نہیں آتا۔ جب سے الکترہ معاملے کی تفتیش سی بی آئی نے شروع کی ہے مسیحا اس کو اچھوت سمجھ کر کترانے لگا ہے۔

منسٹروں کے یہاں پنڈال گر گئے ہیں۔ سب سے بڑا پنڈال مکمل ناتھ منڈل کا ہے۔ یہاں لونڈا ناچ ہوگا اور چوڑا، ستو، ہنری پوری اور دال بھات بھی ملے گا۔ راج مارگ کے پنڈالوں میں کٹن ٹی ڈالڈا، آٹا، چاول، چینی، میدا بھر کر رکھ دئے گئے ہیں۔ بڑے بڑے چولہے بھی بنائے گئے ہیں۔ گاندھی میدان کا پنڈال بھی بہت بڑا ہے یہاں لاکھوں لوگوں کے رہنے کا انتظام ہے۔ اسٹیشن کے قریب ناچ گانے کا الگ انتظام ہے۔ منسٹر کی کوٹھی میں ڈبہ بند کھانا بھی ملے گا۔ مسیحا خوش ہے کہ وائر بورڈ نے پانی کا تشفی بخش انتظام کیا ہے۔ گاندھی میدان میں پائپ کا

جال بچھا دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ ٹرک پر لدے پانی کے ٹینکر ہیں۔ پانی پمپ کرنے کے لئے مشین بھی لگائی گئی ہے۔ پارٹی کا کلچرل ونگ بھی فعال ہے۔ لوک گیت اور سانسرتک کا راج کرم بھی ہوں گے..... تھینا پہ گولی مارے..... بجلی بائی کی گاؤں منڈلی بھی آئی ہے۔ مایا سنگیت کمپنی نے گیتوں کا نیا کیسیٹ جاری کیا ہے۔

دلی سرکار ہے جی

ان کو ہٹانا ہے جی

سمئے کی پکار ہے جی

۲۴ اکتوبر آپہنچا۔ شہر دلہن کی طرح سجا ہے۔ خوب صورت ہری جھنڈیاں..... دل آویز بلند دروازے..... ہوڑ ڈنگ اور بڑے بڑے کٹ آؤٹ..... ہوڑ ڈنگ کا سلسلہ ایر پورٹ سے ہی شروع ہو گیا ہے۔ گاندھی میدان میں منچ کی بھی رنگائی ہوئی ہے۔ بانس اور پلے بھی رنگے گئے ہیں۔ دور تک لاؤڈ سپیکر کا جال بچھا ہے۔ سزا اور سفید کپڑوں سے بنا ہوا گاندھی میدان کا اونچا پنڈال..... اونچے بلوں پر لگے ہوئے ٹیوب لائٹ..... دکانیں صبح سے ہی بند ہیں۔ جتنا جاگرن منچ کے سہا پتی نے سائیکل جلوس نکالا ہے۔ سہا پتی نے ہری جھنڈی دکھائی اور جلوس روانہ ہوا۔ کرشن روڈ سے نکل کر پھول چند پتھ اور ویر مارگ سے ہوتا ہوا شہید چوک پہنچا ہے اور پھر وکرم مارگ سے نکل کر گاندھی میدان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کلاکاروں کا جتھا سنسکرتی پر کوٹھ کے بیسر تلے سڑکوں پر تعینات ہے۔ کیسیٹ زور زور سے بج رہا ہے۔

مسیحا کی عسکتی بڑھایا کرو

ریلی میں گھر سے آیا کرو

لوگ بینڈ باجے کے ساتھ سڑکوں پر اتر آئے ہیں۔ سبھی نیتا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنا اپنا وزن دکھا رہے ہیں۔ کوئی ہاتھی پر چڑھ کر آ رہا ہے۔ کوئی اونٹ پر کوئی بینڈ باجے کے ساتھ..... کوئی نچنیا کے ساتھ.....

زیادہ بھیڑ راج دھانی کی جنوبی سمت سے آنے والوں کی ہے۔ یہاں الٹا پل کے جنوبی سرے کی کمان دلت سیوا سنگھ کے ادھیکش نے سنبھال رکھی ہے۔ بڑے بڑے کٹ آؤٹ کے بیچ ادھیکش سائیکل پر سوار ہے۔ نئے بلند ہو رہے ہیں..... ٹرک..... کار..... ماروتی..... چسپی اور بسیں بھی گاندھی میدان کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ سڑک آدمیوں سے بھر چکی ہے۔ ایک جتھا آدی باسیوں کا ہے..... بدن پر مختلف نقش و نگار اور چہرے پر کھوٹا..... مور کے پنکھ اور ڈھولک کے ساتھ چھونرتہ کرتے ہوئے..... عورتیں اور بچے بھی کھوٹا پہننے والوں میں شامل ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹیٹ کے بٹوارے کے خلاف تختیاں ہیں۔

پردیش پان کرشمک سنگھ کا جتھا چوک کے قریب گیا اس کے ساتھ چور سیا سماج کے لوگ بھی بھاری تعداد میں ہیں۔

پردیش کمہار سنوئے، موسہر سیوا سنگھ اور اکھل بھارتیہ دلت سیوا سنگھ کی جماعت راج مارگ پر نعرہ لگاتی چل رہی ہے۔ پیچھے پیچھے سماجک نیائے مہیلا مورچہ کی عورتیں بھی جھنڈی اٹھائے چل رہی ہیں۔ بندیل دار سمودائے جن جاگریتی مورچہ اور سپورن سماجک نیائے مورچہ اور مہانگرسونا سنگھ کے لوگ بھی پھول چند پتہ سے نکل کر وکرم مارگ میں داخل ہو گئے ہیں۔ جن گنا چھٹی کرم چاری سنگھ کی جماعت بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ کیسیٹ بج رہے ہیں۔

مسیانے بلایا ہے
گاندھی میدان چلو
لے کے ارمان چلو

راجدھانی میں رہنے والے رضا کار بھاگنڈا رقص کرتے ہوئے گاندھی میدان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ پولیس کی جیب اور موٹر سائیکلوں پر بھی نظر رہے ہیں۔ بھاری گاڑیوں کی انٹری پر روک ہے۔ لیکن رضا کاروں کی گاڑیاں سبھی روٹوں کو توڑتی پھوڑتی آگے بڑھ رہی ہیں۔ یار پور گئی نمبر ۲ کے پاس بیریری کی وجہ سے بڑی گاڑیاں گئی نمبر ۵ سے پار کر گئی ہیں۔ مسیحا کی گاڑی بھی گاندھی میدان پہنچ گئی ہے۔ اقلیت کے لوگوں نے مسیح کو گلاب کی بھاری بھر کمالا پیش کی ہے اور خاص طور پر بنائی سبز رنگ کی ٹوپی پہنائی ہے۔

پریس گیلری میں رضا کاروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ وی آئی پی گلیارے میں گھسنے کے لئے پولیس کے ساتھ مقامی نیتاؤں کی جھڑپ ہو گئی ہے۔ مسز چگانی مہیلاؤں کے ایک جتھے کے ساتھ گیٹ پر پہنچی ہیں۔ پولیس کے نوجوانوں نے روکنے کی کوشش کی ہے۔ وہ الجھ پڑی ہیں۔ کچھ دیر بعد چمن لال چنیل نے مداخلت کی ہے اور مسز چگانی کو اندر گھسنے کا موقع مل گیا ہے۔

منج کے نیچے ایک ودھایک موبائل فون لئے وی آئی پی گلیارے میں ٹہل رہا ہے۔ سی بی آئی کی مخصوص عدالت اس کی گرفتاری کے لئے غیر ضمانتی وارنٹ جاری کرے چکی ہے۔ کچھ مंत्री اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کاناپھوسی کرتے ہیں۔ منج پر جلوہ افروز نیتاؤں کے لئے حفاظتی دستے طعنیتا ہیں۔

تین بج چکے ہیں۔ میدان کا نصف حصہ بھی بھر جائے گا لیکن گاندھی میدان کا پیٹ اتنا بڑا ہے کہ لوگ اس میں سما جاتے ہیں اور میدان کا آدھا حصہ خالی رہ جاتا ہے.....

یہ جن سیلاب دلی پر قبضہ کرے گا.....

نیتا کا بھاشن شروع ہوتا ہے۔ کچھ لوگ پیڑ پر چڑھ کر سن رہے ہیں۔ پچھلی ریلی میں پیڑ کی ڈال ٹوٹ گئی تھی۔ میدان کے پتھوچ مہاتما گاندھی کی مورتی ہے۔ مورتی کے چاروں طرف سنگ مرمر کے ستون..... اور ستون کے سرے پر

لوہے کا بنا گیٹ..... گیٹ کے باہر نیم دائرے میں کھڑی جتنا جنار دن..... ایک سفید پوش بھی بیٹھا نظر آ رہا ہے..... لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں..... کون ہے.....؟

اسٹین گن لئے حفاظتی جوان پھسپھساتا ہے۔
”منتری جی ہیں.....“

منتری جی سترھکوں کے بیچ بیٹھے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں۔ اچانک بوند اباندی شروع ہو جاتی ہے۔ رضا کار منتری جی پر چھتری تان دیتا ہے۔ مسیحا کی آواز مائیک پر ابھرتی ہے۔

”چھتری بند کرو..... ہماری لڑائی منوادی اندر سے ہے۔ ہمیں انگلی پر دھرتی اٹھانی ہے.....“ مسیحا کرشن کی طرح انگلی اٹھاتا ہے۔ یہی انداز کٹ آؤٹ میں بھی ہے۔ لیکن کرشن نے نندن پر بہت کنٹھٹھا پراٹھایا تھا۔ مسیحا تر جی انگلی اوپر اٹھاتا ہے۔ لوگ ہنستے ہیں لیکن چھتری بند نہیں کرتے۔ کچھ لوگ بھاگ کر پیڑ کے نیچے آ جاتے ہیں۔ مزدور عورتوں کی ٹولی سر پر پولیٹھین تان لے تی ہے۔ منج سے نیناؤں کا کڑک بھاشن جاری ہے۔

”ہمارے مسیحا کی طرف اگر کوئی انگلی اٹھی تو کاٹ لی جائے گی۔“

”اگر مسیحا کو بے عزت کیا گیا تو خون کی ندی بہہ جائے گی.....“

”چھتری سامنت وادکا پر تیک ہے۔ چھتری لگانے والے فرقہ پرستی کے خلاف نہیں لڑ سکتے

.....“

بوند ابوندی رُک گئی۔ اغل بغل چھترائی بھیڑ پھر میدان کی طرف بھاگتی ہے۔ کچھ لوگ بھیگی گھاس پر بیٹھ کر مونگ پھلی کھا رہے ہیں۔ مونگ پھلی کھانا اور بھاشن سننا ساتھ ساتھ جاری ہے۔ میدان کے ٹھیک سامنے گھیرا بندی کا پختہ انتظام ہے۔ اس کے پیچھے بجلی کی گاؤں منڈلی ہے۔ پاؤڈر پتا چہرہ کار کی کھڑکی سے جھانک رہا ہے..... ہونٹوں پر لپ اسٹک کی سُرخ تہیں..... وہ بار بار جھپکی لیتی ہے..... بار بار ناچتے ناچتے تھک گئی ہے۔

بوند اباندی کم ہونے سے امس بڑھ گئی ہے۔ سورج بادلوں کی اوٹ سے جھانکنے لگا ہے۔ لوگ پسینے سے لت پت ہیں۔ میدان میں خوائے والے بھی کھڑے ہیں۔

”انناس کارس.....“

”دس روپے.....“

”مہنگا ہے.....“

دکھن موچی جیب ٹٹولتا ہے..... ربلی میں آنے کے دس روپے ملے ہیں..... کھانا الگ..... ربلی کی وجہ سے دام بڑھ

گیا ہے۔ یہ مہنگائی ورو دھمی ریلی ہے۔ مسیحا کی تقریر شروع ہوتی ہے۔ جو لوگ بیٹھے ہیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چھترائی بھیڑ میدان کی طرف بھاگتی ہے۔

”آزادی کی جنگ سے تین باتیں پیدا ہوئیں۔ دھرم نہ پہنچتا، لوگ تنز اور سماجک نئے۔ گاندھی جی کی رہنمائی میں تینوں باتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ لیکن آج کی راج نیٹی نے سیکولرزم پر کڑا پرہار کیا ہے۔ یہ حملہ اگر جاری رہا تو بھائیوں دلش میں اراجکتا پھیل جائے گی اس کے لئے بی بی جے پی ذمہ دار ہے۔ بی بی جے پی کا اصل چہرہ ابودھیا کے مسئلے پر سامنے آ گیا ہے.....“

بھیڑ خاموش ہے۔ نعرے نہیں لگاتی۔ بیچ بیچ میں تالی بجا دیتی ہے۔ مسیحا کی کڑک آواز مانک پر مسلسل ابھر رہی ہے۔ ”یہیں سے گاندھی اور بی بی جے پی نے آندولن شروع کیا تھا۔ بعد میں نکل باری کا آندولن بھی یہاں سے شروع ہوا۔ فرقہ پرست طاقتوں کے خلاف ہمیں گول بند ہونا ہے۔ بی بی جے پی سرکار نے ہم پھوڑ کر مہنگائی بڑھا دی ہے اور بھارت کو سنسار سے الگ تھک کر دیا ہے۔ میں جنتا کی عدالت میں سوگندہ کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی۔ میں نے دنگے کو روکا۔ آراس اس اور بھاجپہ کے بھوشہ کو ختم کر دیا۔ مجھ پر گنوار ہونے کا الزام ہے۔ بھائیو! یہی گنوار پن ہماری طاقت ہے۔ ہم سند میں کوئی بھی غریب اور دلت ورو دھ قانون پاس ہونے نہیں دے گے.....“

تالیوں کی گڑ گڑاہٹ..... لیکن زیادہ شور بھیڑ کے اس حصے میں ہوتا ہے جو منچ کے قریب ہے۔ مقامی نیتا شکریہ کی رسم ادا کرتا ہے۔ بھیڑ چھٹنے لگتی ہے.....

ریلی کے دودن بعد فہم الدین شروانی جہان نگری میں نمودار ہوئے۔ دفتر پہنچے تو سب کی زبان پر ریلی کا ہی چرچا تھا۔ رمیش یادو ”بیک وارڈ“ اسٹاف کے ساتھ برآمدے میں بیٹھا تھا۔ شروانی کو دیکھ کر سب گُرسی سے اُٹھ گئے اور پر نام کیا۔ شروانی نے جواب میں سر کو جنبش دی اور اپنے چیمبر میں آئے تو رمیش یادو بھی پیچھے پیچھے آیا۔

”آپ نے ریلی دیکھی سر.....؟“

”دیکھی.....“

”ادبھت ریلی..... دس لاکھ آدمی.....“

”یہ ریلی نہیں ریلیا تھا.....“

”شکٹی پردشن..... کیندر چاہتا ہے کسی طرح یہاں کی سرکار گر جائے لیکن مسیحا نے دکھا دیا کہ

جن آدھا راس کے ساتھ ہے۔“

”ریلی میں ایک بات میں نے محسوس کی کہ سبھی بینزدلت اور پچھڑی جاتی کے تھے۔ فاروارڈ

کاسٹ کہیں نظر نہیں آیا.....“

”وہ لوگ بی جے پی کی ریلی میں جائیں گے سر.....“

”لیکن حکومت تو ہمیشہ فارواڈ نے ہی کی ہے“ شروانی مسکرائے۔

”وہ دن لد گئے کہ رانی کے پیٹ سے راجہ پیدا ہوتا تھا، اب دلت چیتنا جاگ اُٹھی ہے۔

اب نہیں چلے گا ووٹ تمہارا راج ہمارا.....“ رمیش یادو کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

رگھوناتھ پانڈے فائل لے کر آئے۔

”آپ نے ریلی دیکھی.....؟“

”ریلی تو پرشاشن نے نکالی سر..... بجلی پانی بانس بلہ سب تو پرشاشن نے دیا۔ جبراً چندہ

وصول ہوا۔

”بیسین ضبط ہوئیں.....“

”ایسی بات نہیں ہے..... رمیش یادو چڑھ گیا۔

ایک لمبے قد کا آدمی چیمبر میں داخل ہوا..... سلک کرتے میں ملبوس..... ماتھے پر تلک کا بڑا سا نشان..... تلوار کٹ

دھوتی..... اور کندھے سے جھوٹا ہوا گیر وئے رنگ کا انگوچھا..... اس کا سینہ چوڑا اور کمر پتلی تھی۔ شروانی نے محسوس

کیا کہ وہ چیمبر میں داخل ہوا تو اینٹھ کر چل رہا تھا۔ دو آدمی اور تھے..... ایک کی دھاڑھی بڑھی ہوئی تھی، دوسرا گنجا تھا

۔ اس کے گلے میں کنٹھی تھی۔ تینوں کی کلائی میں دھاگہ بندھا ہوا تھا۔ وہ آتے ہی گُرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

”یہاں گاؤں میں یگ ہو رہا ہے۔“

”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں.....؟“

”میں وشو ہندو پریشد کا ضلع ادھیکش ہوں۔“

”یہ تو عہدہ ہوا..... حضور کا اسم گرامی.....“ شروانی مسکرائے۔

ضلع ادھیکش کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے جھنجھلاہٹ کے آثار نمایاں ہوئے۔ اغل بغل میں بیٹھے رضا کار نے

گُرسی پر پہلو بڈلا۔

”مجھے رما کانت جھا کہتے ہیں۔“

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“

”چمن پورا گاؤں میں گیہ ہورہا ہے۔ آپ تین ہینڈ پمپ لگا دیجئے۔“

”یہ کام ضلع مجسٹریٹ کا ہے۔“

”اور آپ.....؟“

”ہم وہیں ہینڈ پمپ لگاتے ہیں جہاں وبھاگ آدیش دیتا ہے۔“

”یہ تو دھرم کرم ہے۔ ہم اپنے گھر میں لگانے کے لئے تو نہیں کہہ رہے ہیں۔“

”دھرم کرم ہو، ایمر جنسی ہو یا سنسکرتیک کارج کرم۔ یہ ضلع پر شان کے تحت آتا ہیں۔“

رمیش یادو نے مداخلت کی۔ شروانی کو راحت محسوس ہوئی۔

”اگر ضلع مجسٹریٹ سے آدیش مل جائے تو.....؟“

”تو تین فنڈ مانگوں گا۔ فنڈ ملے گا تو کام ہو جائے گا۔“

”آپ دوسرے ڈھنگ سے مدد کیجئے.....!“، لٹھی والا رضا کار بولا۔ شروانی کو محسوس ہوا

کہ سامنے والا شخص ان کے گلے میں پتہ دیکھ رہا ہے۔

”کیسی مدد.....؟“ شروانی کا لہجہ دھیماتھا۔ اور زنجیر کس گئی.....

”بائس بلہ کھان پان بہت خرچ ہے.....“

”دس تاریخ کو بھاجا کیمپ بھی لگے گا.....“، اھیکش معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

”کچھ مدد کیجئے سر!“ اس بار داڑھی والا رضا کار بولا۔

شروانی خاموش رہے۔

”ہمارے کار کرتا آپ سے ملیں گے.....“

اھیکش گُرسی سے اُٹھ گیا۔ رضا کار بھی اُٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد ریش یادو شروانی سے مخاطب ہوا۔

”دیکھا سر آپ نے آسانی سے ٹال دیا کہ فنڈ نہیں ہے۔ اسٹیٹ میں اگر بی جے پی کی

حکومت ہوتی تو آپ کو جیب سے یہ بیوب ویل کروانے پڑتے۔“

شروانی کچھ کہنا چاہ رہے تھے کہ رگھوناتھ پانڈے ریش یادو سے الجھ گیا۔

”گیہ کون کروا رہا ہے.....؟“

”وشو ہندو پریشد والے۔“

”کیوں یہ کام دلت کیوں نہیں کرتا.....؟“

”اب گیہ تو براہمن ہی کرے گا.....“

رگھوناتھ پانڈے کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہی ہے منوواد..... براہمن نے اپنی ذہنی برتری ثبت کر دی ہے۔ آپ براہمن کی ذہنی غلامی پر مجبور ہیں.....“

”اسی لئے تو براہمن واد کے خلاف جہاد چھڑا ہے۔“ رمیش یادو چڑھ کر بولا۔

”معاف کیجئے گا..... یہ جہاد نہیں ہے..... یہ جاتی گھرنا ہے..... کاسٹ ہیڈر..... آپ لڑ نہیں رہے ہیں..... آپ نفرت پھیلا رہے ہیں..... منوواد کو ختم ہونا چاہئے..... لیکن اس لڑائی میں جب تک اونچی ذات کے لوگ شامل نہیں ہوتے یہ لڑائی جیتی نہیں جاسکتی۔ خود براہمن ہی براہمن واد کو ختم کر سکتا ہے.....“

”لیکن اونچی ذات والے خود اپنے ہی خلاف کیوں لڑیں گے.....“ شروانی بیچ میں ٹپک پڑے۔

”اپنے خلاف لڑنے کا سوال نہیں ہے..... سوال ہے سسٹم کے خلاف لڑنے کا..... لڑائی براہمن واد کے خلاف ہونی چاہئے..... براہمن فرد کے خلاف نہیں.....“

”جاتی پر ختم ہونی چاہئے.....“ شروانی بولے۔

”یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جاتی واد کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ہندو ہونے کا مطلب ہے کسی جاتی کا ہونا..... جاتی ویوستھا براہمن واد کا دوسرا نام ہے جس کا ہتھیار ہے اندھ و شواس جھوٹ اور اہنسا.....“ پانڈے کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔ شروانی اسکو حیرت سے دیکھتے رہے تھے۔

”چانکیہ نے ارتھ شاستر میں لکھا ہے کہ حکومت قائم رکھنے کے لئے عوام کو اندھ و شواس کے کنو چکر میں پھنسائے رکھو..... کسی جگہ چپکے سے بھگوان کی مورتی رکھ دو اور مشہور کر دو کہ بھگوان پرکٹ ہوئے۔ گنیش جی کو دودھ پلانے کی کوشش ایسی ہی تھی جس میں اڈوانی نے بھی دل چسپی لی۔ اس طرح براہمن اپنی اولیت قائم رکھتا ہے۔“

”پانڈے جی آپ براہمن ہو کر بھی.....“

”میں نے دلت میں شادی کی ہے۔ لیکن منوواد ویوستھا میں میرا بچہ براہمن نہیں رہا۔ وہ چنڈال ہو گیا ہے۔ میں اپنے بچے کا باپ نہیں ہوں..... میں چنڈال کا باپ ہوں.....

بابا بابا..... بابا بابا.....“

پانڈے زور سے ہنسنے لگا اور فہیم الدین شروانی جھر جھری محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے.....

شروانی پھر روپوش ہو گئے..... اب چندہ کون دیتا پھرے.....؟ بی بی جے پی کا کیمپ لگنے والا تھا اور مالے والے بھی جلوس نکال رہے تھے۔ عافیت اسی میں تھی کہ کہیں چھپ جاؤ..... لیکن ملا کی دوڑ مسجد تک شروانی پھر راجدھانی چلے آئے۔

راجدھانی کی سڑکوں پر سُرخ بتی والی گاڑیوں کی لمبی قطار ہوتی ہے اور پیچھے لکھا ہوا ہوتا ہے ”پاور بریک“..... پیچھے ہٹو..... مارے جاؤ گے.....!

یہاں ہر دوسرا ایم ال اے منتری ہے..... ایک سو بیس منتری..... باقی سمیٹیوں کے ممبر ہیں لیکن درجہ منتری کا ہے۔ شوفر سمیت گاڑی اور ڈھائی سو لیٹر مفت پٹرول..... طبی امداد..... مکان بھتہ..... ٹیلی فون..... ایک نجی سکر میٹری..... ایک سیر کلرک..... ایک جونیہ کلرک..... دو چر اسی..... یہ ہوائی سفر کے بھی حق دار ہیں..... صرف بھتہ معمولی ہے..... اسٹیٹ کے اندر چالیس روپے اور اسٹیٹ کے باہر پچاس روپے یومیہ..... سرکاری گیٹ ہاؤس میں قیام و طعام..... مقامی انتظامیہ بھی الگ سے گاڑی کی سہولتیں فراہم کرے گی..... ایک منتری پر سرکار کا ایک لاکھ روپے ماہانہ خرچ..... ایک سو بیس منتری یعنی بارہ کروڑ روپے ماہانہ..... اور اسٹیٹ کا خزانہ خالی ہے..... ٹیچر کو تنخواہ نہیں ملتی..... کرچاری کی مانگیں پوری نہیں ہو سکتیں..... لیکن ایم ال اے کو پنشن ملے گی ہارے ہوئی ایم ال اے بھی نصف پنشن کے حق دار ہیں..... اور منتری بھی جائیں گے..... کمیٹیٹ نے ودیش بھر من بھتہ کی منظوری دے دی ہے..... نصف سے زیادہ ودیش جا چکے..... باقی پرتول رہے ہیں۔ فی منتری تین لاکھ..... ایک سو بیس منتری..... چھتیس کروڑ کا مزید خرچ.....

اسٹیٹ کا خزانہ خالی ہے اور ودیش برمن جاری ہے..... آہستہ آہستہ پبلک سیکٹر سب بند ہو گئے..... ہیوی انجینرنگ کارپوریشن..... اسٹیٹ روڈ ٹرانپورٹ کارپوریشن..... ویر ہاؤسنگ کارپوریشن..... چٹراوکاس نگم..... ریشم ادیوگ..... انڈین ڈرگس فارمیٹیکل لیمنیڈ..... پیپر مل..... سوگرمل..... رائس مل..... کانٹج انڈسٹریز..... لکھو ادیوگ.....

سب بند..... بیمار..... مدقوق..... اور سراسر کے منہ کی طرح بڑھ رہا ہے منتری منڈل.....!!!
اعلیٰ کمان فراخ دل ہیں..... غیر ایم ال اے کو بھی منتری کا درجہ دیا ہے۔ اردو مشاورتی کمیٹی کے چیرمین کی بھی حیثیت منتری کی ہے..... ان کو گاڑی میسر نہیں ہوئی تو بانک میں ہی لال بتی لگائی ہے۔

سرکار چلانے کا یہ گراعلی کمان نے کانگریسیوں سے سیکھا ہے..... عوام کے نمائندے کو ناراض نہیں کرتے..... یہ جمہوریت کے ناخدا ہیں..... لوک تنتر کے سوتر دھار..... سب کو منتری بنا دو..... گھوڑے خریدو..... بہومت جٹاؤ..... گھوڑے بدک گئے تو گاڑی اُلٹ جاتی ہے.....

راجدھانی میں کہاں تھو کو گے.....؟ شروانی کا گندھی میدان گئے اور شعلوں میں گھر گئے۔ وہاں بی بی جے پی کا جلسہ

ہور ہاتھا۔ لاؤڈ سپیکر سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

”مسلمان کرائے دار کی طرح آئے اور مکان مالک بن بیٹھے۔ محمود غزنوی نے سومنا تھ کا مندر لوٹا اور فرقہ پرستی کی بنیاد ڈالی۔ جن لوگوں نے پاکستان بنایا وہ اب ہمارے دلش میں اقلیت کا راگ الاپ رہے ہیں اور دشمنیش ادھیکار کی مانگ کر رہے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں کیا یہ مسلم تانا شاہی کا نیاروپ نہیں ہے.....؟ ودیش کے بٹوارے کے وقت ہندو اور مسلمانوں کو چھوٹ تھی کہ ہندوستان میں رہیں یا پاکستان میں۔ میں پوچھتی ہوں جو ہندو پاکستان میں رہ گئے کیا انہیں بھی حق ہے کہ مسجد توڑ کر مندر بنالیں.....؟“

اور شروانی انگشت بدنداں رہ گئے تھے.....! شعلے اگلتی ہوئی عورت کوئی اور نہیں ان کی منہ بولی بہن تھی مایا ساہنی.....! شروانی وہاں سے فوراً کھسک گئے۔ دوسرے دن یہ پتہ کیا کہ کہاں رہتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بی جے پی کی ایم ال اے ہے اور چالیس نمبر ایم ال اے فلیٹ میں رہتی ہے۔ دوسرے ہی دن وہ پھل اور میٹھائیاں لئے مایا ساہنی کے گھر پہنچے۔

مایا حیرت میں پڑ گئی.....!

”شروانی تم.....؟؟“

شروانی مسکرائے۔

”یقین نہیں ہو رہا ہے.....؟“

”یقین تو مجھے بھی نہیں ہوا جب تم بھاشن کر رہی تھیں.....!“

”تم وہاں تھے.....؟“

”وہیں تم کو دیکھا۔“

”لانا چاہیے تھا۔“

”خوف محسوس ہوا.....!“

”کیوں.....؟“

”تم شعلے اگل رہی تھیں۔“

”لوگ مجھے فائر براؤنڈ کہتے ہیں.....!“

”تم نے او مادیوی کی زبان کہاں سے سیکھی.....؟“

”میں شروع سے ہی بی جے پی میں ہوں۔“

”حیرت ہے.....؟“

”تم یہاں کیسے.....؟“
”واٹر ریسوینز میں ایگزیکٹو انجینئر ہوں.....!“
”بیوی بچے.....؟“
”تنہا ہوں.....! اور تم.....؟“
”میری بھی نہیں.....! خیر بتاؤ چاچا کیسے ہیں.....؟“
”کانی بوڑھے ہو گئے ہوں گے.....؟“
”تمہارا ایک بھائی تھا.....؟“
”وہ ہے..... ڈھان چو.....!“
”اس کو تو سپنے آتے تھے.....!“
”ابھی بھی آتے ہیں اور سچ ہو جاتے ہیں.....!“
”میں اپنے بارے میں پوچھوں گی.....!“
”کیا پوچھو گی.....؟ یہی کہ مسلمانوں کا صفایا کب ہوگا.....؟“
”اس طرح کیوں کہتے ہو.....؟“
”یہ تم لوگوں کا پُرانا سنا ہے.....!“
”تم بند دماغ کے لوگ ہو.....! تم لوگوں نے انسانی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا..... مسلم اور کافر..... اور کافروں کے خلاف جہاد کرنا فرض سمجھتے ہو.....!“
”تم لوگوں نے تو ہندو سماج کو بھی دو خانے میں بانٹ دیا..... فاروڈ اور بیک ورڈ..... اور بیک ورڈ کو بھی کئی خانوں میں تقسیم کیا اور ان کے لئے تمہارے شاستر نے غیر انسانی قانون نافذ کیئے.....“
”میا چپ ہو گئی..... شر وانی کو فضا میں تناؤ سا محسوس ہوا۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر شر وانی نے پوچھا۔
”تم اکیلی رہتی ہو.....؟“
”ہاں!“
”تمہارے درباری نظر نہیں آرہے ہیں.....؟“
”سب ریلی کی تیاری میں جڑے ہیں..... آؤ اندر بیٹھتے ہیں!“
وہ کمرے میں آئے۔ دیوار پر گروگو الکر کی ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ شر وانی مسکرائے۔
”گویا تم آراس اس کیڈر کی ہو.....!“

”ہم بیس سال بعد مل رہے ہیں.....!“
”پاپا کے ٹرانسفر کے بعد تو تم لوگوں سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔“
”میں نے بی ایچ یو سے ایم اے کیا۔“
”اسی لئے بی جے پی میں گئی.....!“
”کیوں.....؟“

”بی ایچ یو والے بی جے پی میں ہی جاتے ہیں.....!“
”جس طرح علی گڑھ والے جماعت اسلامی میں جاتے ہیں۔“

شروائی ہنسنے لگے۔

”کچھ یاد ہے.....؟ تم مجھے راکھی باندھتی تھی۔“
”بھلا یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے.....!“
”ایسا تو نہیں کہ وہ دھاگہ اڈوانی کے رتھ میں کہیں الجھ گیا.....؟“
”میں نے تمہیں ہمیشہ بھائی سمجھا.....“
”لیکن میری برادری سے نفرت کرتی ہو.....؟“
”معاف کرنا تم لوگ دلش کے مکھ دھارا میں نہیں ہو.....!“
”یعنی.....؟“

”تم لوگ ہجرت پر یقین رکھتے ہو! تمہارے یہاں مادر وطن کا کوئی تصور نہیں ہے۔ راشٹریتا کے وکاس کی پہلی شرط ہے جنم بھومی کو اپنی ماں سمجھنا اور پوری عقیدت رکھنا۔“
”یہ کہنے کی باتیں ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندو کبھی متحد نہیں رہے اور باہر والوں نے حکومت کی۔ تمہیں مغل بادشاہوں سے شکایت ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ مسلم شہنشاہوں نے ہندوستان کو اپنا مستقل مامن بنایا اور یہاں کی ریاستوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ ان کے دور حکومت میں اونچے عہدے پر ہمیشہ ہندو فائزر رہے.....“
”لیکن تم لوگوں نے مندر بھی لوٹا.....!“
”تمہیں محمود غزنوی تو یاد ہے لیکن وہ مغل شہنشاہ یاد نہیں جنہوں نے مندر بنوائے اور مسجد میں سنسکرت زبان میں اشلوک لکھوائے.....“

”مثلاً.....؟“

”عادل شاہ نے مسجد بنوائی جس کا شلا کیھ سنسکرت زبان میں ہے.....“
”مایا مسکرائی۔“ بہت جذباتی ہو۔ تمہارے لئے چائے بناؤں.....؟“

”کیوں تکلف کرتی ہو.....؟“

”اتنے دنوں بعد بھائی جو آیا ہے.....!“

”بھائی.....؟ یا بند دماغ کا مسلمان.....؟“

مایا ہنسنے لگی۔ وہ بچن میں گئی تو شروانی نے ایک طائرانہ سی نظر چاروں طرف ڈالی۔ ایک طرف شلیف پر پرانے اخبار تہہ کئے ہوئے تھے۔ میز پر پنجہ جنیہ اخبار رکھا ہوا تھا۔ شروانی اخبار کی ورق گردانی کرنے لگے۔ مایا چائے لے کر آئی تو شروانی نے گرو کو الکر کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

”تم اس کی آر تی بھی اتارتی ہوگی.....!“

”ایسا نہیں ہے.....!“

”مجھے حیرت ہے.....؟“

”کیا.....؟“

”تم نے بی جے پی کیوں جوائن کیا.....؟“

”کیوں.....؟“

”یہ اونچی ذات والوں کی پارٹی ہے.....؟“

”تو کیا ہوا.....؟“

”مایا ساہنی.....! تم براہمن نہیں شدر ہو.....!“

”ایسی کیا بات ہے.....؟“

”تم برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئی..... بازو پیٹ یا منہ سے نہیں.....!“ مایا ہنسنے لگی۔

”تم ہنس رہی ہو لیکن یہ منو وادی و یوستھا ہے۔ بی جے پی جس ہندو سماج کی بات کرتی اس

میں شدر کی حیثیت فرد کی نہیں سیوک کی ہے جو بچ ہے۔ شدر کو مارنے کی منوسمرتی اتنی ہی

سزا تجویز کرتی ہے جو کتے اور بلی کو مارنے کی ہو سکتی ہے۔“

”کیا بکو اس ہے.....؟“

”منو اسمرتی پڑھو.....!“

”یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکی ہے.....“

”یہ آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہے۔ یہ سناتن ہے۔ یہ ہندو سماج کی بنیاد ہے..... اسنے ورن

و یوستھا کو جنم دیا۔ ورن و یوستھا ہندو مذہب کی آتما ہے۔ دلت جب اپنے حق کی بات کرتے

ہیں تو ورن و یوستھا خطرے میں پڑتی ہے اور اس طرح ہندو تو خطرے میں پڑتا ہے.....“

مایا چپ رہی۔

”بی جے پی آئین بدلنے کی بات اس لئے کرتی ہے کہ آئین سیکولر ہے جس میں سبھی کے لئے برابر حقوق ہیں۔ لیکن سنگھ خاندان کا سماجی نظریہ ان کے مذہبی نظریے کا پرتو ہے۔ ورنہ ویو ستھ براہمن نے حصول مقصد کے لئے وضع کیا، فلاح انسانی کے لئے نہیں.....“

”تم کمیونل ہو.....!“

”میں کمیونل نہیں ہوں۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم منواد یوں کے چکر میں کیسے پڑ گئی.....؟“

”کیوں.....؟“

”منواد ی اگر مسلمانوں کے خلاف زہرا گلتے ہیں تو اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ ان کو ہر مسلمان میں محمود غزنوی نظر آتا ہے لیکن تمہاری جنگ مسلمانوں سے نہیں ہے۔ تمہاری جنگ تو منواد یوں سے ہے کہ انہوں نے شدت کو مذہبی اور سماجی حقائق سے محروم رکھا اور ان کے لئے غیر انسانی قانون نافذ کئے.....!“

”کوئی اور بات کرو.....!“

”آخر کیا وجہ ہے کہ ابھی بھی تم لوگوں کو مندر میں جانے نہیں دیا جاتا.....؟“

”کوئی اور بات کرو.....!“

”یاد رکھو تم بی جے پی میں بہت دن تک رہ نہیں پاؤ گی.....!“

”میں کہتی ہوں کوئی اور بات کرو.....!“ مایا کا لہجہ تیکھا ہو گیا.....!

”بی جے پی میں سبھی لیڈر اونچی ذات والے ہیں۔ پچھڑی ذات کا کوئی آدمی پارٹی میں اونچے عہدے پر نہیں پہنچ سکتا.....“

”سنا نہیں تم نے.....؟“ مایا سہنی زور سے چیخی۔

شروانی نے اس کو حیرت سے دیکھا اور خاموش ہو گئے..... ماحول میں اچانک جیسے سانپ سونگھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ مایا گرسی کے ہتھے پراگلیوں سے آڑی ترچھی سی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ شروانی اٹھتے ہوئے بولے۔

”معاف کرنا مایا۔ تم بہن ہو اس لئے یہ سب کہنے کی جرت ہوئی ورنہ دوسروں کے سامنے

“!!.....

”تم راج نیستی میں کیوں نہیں آتے.....؟“ مایا پھبکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
شروانی نے کوئی جواب نہیں دیا اور خدا حافظ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے.....!

﴿ ۶ ﴾

زنجیر کھینچنے کا بھی اپنا ایک سرور ہوتا ہے.....!

اسٹور کیپر پانچ ہزار کی رقم دے گیا اور شروانی نے گدگدی سی محسوس کی۔ شروانی کے ماتحت وقتاً فوقتاً جو نذرانہ پیش کرتے تھے وہ ایک طرح سے ان کا حصہ ہوتا تھا جو بالکل ”جائز“ تھا..... وہ خوش ہوتے تھے لیکن یہ پانچ ہزار کی رقم.....؟ اس نے عجیب سا سُور بخشنا تھا..... اس میں گناہ کی سی لذت تھی۔ اسٹور میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس سے باخبر تھے اور اب ان کی جانب سے اسٹور کیپر کو کچھ کچھ کرتے رہنے کی اجازت گویا مل گئی تھی اس نے بتایا کہ وہ ان سے گاہے گاہے بھینٹ کرتا رہے گا اور یہ کہ زینتھ پاپ کمپنی سے پاپ کی آر آر موصول ہوئی ہے اور کچھلی بار ریلوے نے شارٹ سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ شروانی مسکرائے۔ ان کو لگا وہ واٹر ریسورسینڈ بیارٹمنٹ کے مکمل ناتھ منڈل ہیں۔ لیکن زنجیر کا سُور بہت جلد پٹے کی چھن میں بدل گیا.....! دوسرے ہی دن فیکس موصول ہوا کہ سی ایم حسن گنج کا دورہ کریں گے.....

بھلا ایسا بھی کہیں ہوا ہے کہ سی ایم حواجُ ضروری سے فارغ ہوں اور ان کو پانی کی ایک بوند بھی میسر نہ ہو.....؟

ایسا حسن گنج میں ہوا۔

حسن گنج کا علاقہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گھرا ہے۔ یہاں کوئی ندی نہیں بہتی۔ پانی کی سطح زمین سے بہت نیچے ہے جس سے کنوئیں اور چا پائل گرمی میں سوکھ جاتے ہیں۔ پانی کی ہمیشہ قلت رہتی ہے۔ جنوب میں قریب دس کیلو میٹر دور ایک اونچا پہاڑ ہے جس کے دامن میں کہیں کہیں گکھائیں بنی ہوئی ہیں۔ ان کی دیواروں پر پالی زبان میں عبارتیں کندہ ہیں۔ شاید یہاں کبھی بودھ بھکشک رہتے تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک پرانا شیو مندر ہے۔ کہنا مشکل ہے اس کی تعمیر کب ہوئی۔ کہتے ہیں حسن نام کا گداگر مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھا رہتا تھا۔ شیو راتری کے میلے میں ایک بار بہت بھیڑ لگی۔ لوگ پیاس سے بے حال ہو گئے۔ حسن گداگر نے اپنی ایڑی زمین پر زور سے رگڑی اور چلایا۔

”شکرا اپنی جٹا کھول! کب تک جھگنتوں کو پیاسا مارے گا.....؟“

دیکھتے دیکھتے وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ حسن گداگر کے نام پر علاقے کا نام حسن گنج پڑا۔ چشمہ حال تک جاری تھا۔ آزادی کے بعد ایک بار آراس اس کا کمپ لگا۔ وہ لوگ پمپ لگا کر پانی اوپر کھینچنا چاہتے تھے۔ اس چھڑ چھاڑ سے چشمہ سوکھ گیا۔

حسن گنج میں ڈی ایم نے ایک نیاریسٹ ہاؤس تعمیر کرایا تھا جس میں پانی کی فراہمی کے لئے ٹیوول اور پائپنٹ ورک کے کام میں واٹر ریسیس ڈپارٹمنٹ کی مدد نہیں لی گئی تھی بلکہ حسن گنج کے بی ڈی او نے یہ کام مقامی مستری سے لیا تھا۔ لیکن پمپ چلنے پر بھی جب پانی ٹنکی تک نہیں پہنچا تو ڈی ایم نے فوراً شروانی کو فیکس کیا کہ ریسٹ ہاؤس میں پانی کا نظام چیک کریں۔ فیکش درپن نے یہ پیغام بھیجا کہ ٹاور کا ٹھلا نیاںش تو رد ہو گیا لیکن پنچائت بھون میں گھر بھوج ہوگا اور شروانی جی ”تعاون“ کریں گے۔ تعاون..... یعنی پچیس تیس ہزار کی چپت.....؟

رجمن دیکھے بڑے کو لکھو نہ دیجیے ڈاری.....!

آخر لبرٹی کی چٹل نے راحت پہنچائی۔ رام چرتر پاسان کہیں سے آفس آدھمکا۔

”پرنام سر.....“

”پرنام!“

”سی ایم آر ہے ہیں سر.....“

”معلوم ہے۔“

”سی ایم کمبل باٹیں گے۔“

”اور گھر بھوج.....؟“

”سی ایم گھر بھوج میں نہیں جائیں گے.....“

”کیوں.....؟“

”اقلیت کا ووٹ ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”ایسا کیوں.....؟“

”کملیش درپن سمتا پارٹی کا ایم ال اے ہے۔ سمتا بی جے پی کی گود میں بیٹھی ہے۔ سی ایم نے بھوج کھایا تو جنتا میں یہی سندیش جائے گا کہ اعلیٰ کمان کا بی جے پی سے سمجھوتہ ہے۔“

”مجھ سے سہیوگ کے لئے کہہ رہے تھے۔“

”پیہ نہیں دیجئے گا سر نہیں تو ہمیشہ دینا ہوگا“

”لیکن کچھ تو سہیوگ کرنا ہوگا۔“

”اتنا بھر کہ پنچائت کا چا پائل مرمت کرا دیں اور روڈ کے کنارے جتنے چا پائل ہیں سب کو چالور کھیں.....“ ران چرتر مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ شروانی کو لگا وہ اس

مشورے کی قیمت وصول کرے گا.....!

اور اس نے فرمائش کی۔

”سرمیری گھڑی ٹوٹ گئی ہے۔ آپ کی کراپا درشٹی ہوتی تو.....؟“

”ضرور!“ شروانی پھر مسکرائے۔

”چتنا مت کیجئے سر.....! کملیش درپن کا کچھ نہیں چلے گا.....“

”اوکے.....“

”میری گھڑی.....؟“

شروانی نے سوکا ایک نوٹ بڑھادیا۔

”تھینک یوسر.....!“ رام چتر خوش ہو گیا۔

دوسرے دن سی ایم آنے والے تھے۔ شروانی صبح سویرے جو نیرا نجھیر اور پمپ مستری کے ساتھ ریست ہاؤس پہنچے۔

شروانی جھنجھلا گئے۔ پاپ کی فنگنگ غیر تکنیکی ڈھنگ سے ہوئی تھی۔ ایک اونچے سے ٹیلے پر چار سولیٹر کے دو سینٹیکس رکھے تھے، جنہیں پاپ کے ذریعہ ریست ہاؤس سے جوڑا گیا تھا لیکن مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ ڈیلیوری کی جگہ رانزنگ پاپ فٹ کردی گئی تھی اور رانزنگ کی جگہ ڈیلیوری..... رمیش یادو بننے لگا۔

”سرڈی ایم نے کھانے کا حساب کتاب کیا ہے.....!“

”پاپ کھول کر پھر سے بچھانا ہوگا۔“

”سمئے لگے گا۔“

”کیا کیجئے گا.....؟ اس طرح تو پانی پاپ تک پہنچے گا نہیں.....!“

”سی ایم کے آنے کا سمئے ہو گیا ہے۔ جلدی کیجئے.....!“

مقامی افسروں کی گاڑیاں آنے لگی تھیں۔ کچھ سیاسی رہنما پہلے سے موجود تھے۔ پارٹی کے رضا کار بھی خاصی تعداد میں جمع تھے۔ ریست ہاؤس کے احاطے بی ایم پی کا حفاظتی دستہ تعینات تھا۔ باہر میدان میں خیمہ گڑا تھا جس میں جتنا جنار دن بیٹھی اپنے مسیحا کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ جتنا خیمے سے باہر بھی بیٹھی تھی اور بار بار آسمان تاک رہی تھی۔ مسیحا آکاش مارگ سے آئیں گے اور مکمل تقسیم کریں گے۔

بارہ بج گئے۔ سورج سر پر تھا۔ پاپ کا نظام قریب قریب درست ہو گیا تھا۔ صرف ایک جگہ کی کنکشن باقی تھا۔ کملیش درپن کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن رام چتر پاسبان جمع میں موجود تھا۔ شروانی اس کو دیکھ کر مسکرائے۔ ایک مقامی نیتا قریب آکر بولا۔

”کیا ہو رہا ہے.....؟“

”کچھ نہیں.....!“ رمیش یاد بولا۔

”بارات گھر پر آئی ہے تو چلے میں کدوروپنے.....؟“

کچھ اور نیتا ٹیوب ول کے پاس جمع ہو گئے۔

”اتم سمئے میں آپ لوگ کام شروع کرتے ہیں.....؟“

”سی ایم تو آچلے.....!“

”زندہ باد زندہ باد.....“ اچانک فضا میں نعرے بلند ہوئے.....

دوڑی..... سیکورٹی فوراً

گھڑ..... گھڑ..... گھڑ..... ہیلی کوپٹر اتر رہا تھا۔ جتنا جنار دن اُدھر

حرکت میں آگئی..... سٹاک..... سٹاک..... پیچھے ہٹو..... پیچھے.....

سی ایم ہیلی کوپٹر سے نیچے اترے۔

”زندہ باد..... زندہ باد.....“

”غریبوں کا مسیحا زندہ باد.....“

سی ایم نے ایک بار مجمع کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا لیکن وکٹری سائن نہیں بنائی بلکہ تیز تیز قدموں سے ریسٹ ہاؤس

کی طرف بڑھ گئے۔ وہ جلدی میں تھے۔ ان کے چہرے پر کرب کے آثار تھے جو پیٹ میں اٹلٹھن سے پیدا ہوتے

ہیں۔ دراصل ان کو رفع حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے گئے اور سیدھا ہاتھ روم میں گھسے اور

غضب ہو گیا..... سی ایم فارغ ہوئے اور نل کھولا تو پانی نہیں تھا..... اور جیسے زلزلہ آ گیا.....

”کہاں گیا ڈی ایم..... بی ڈی او..... ڈی ڈی سی.....؟ سالاکتا..... نکمٹا..... حرام خور.....“

”؟؟“

بی ڈی او بے ہوش ہو گیا۔ ڈی ڈی سی خوف سے کاٹنے لگا..... ڈی ایم بھی گھبرا گئے۔ باہر کے چائپل سے دو بائلی

پانی بھروا کر ہاتھ روم میں رکھوایا۔

”ریسٹ ہاؤس کا انجنیر کون ہے.....؟“

مقامی نیتا شروانی پر پل پڑے۔

”سی ایم کو پانی نہیں ملا اور آپ یہاں ناک ٹک کر رہے ہیں.....؟“

”سی ایم کو پانی نہیں دے سکتے تو جتنا کو کیا دیں گے.....؟“

”میں کیا کر سکتا ہوں۔ ڈی ایم نے فالٹی کام کروایا.....!“ شروانی نے احتجاج کیا۔

”تو آپ اتنی دیر سے مولی اکھاڑ رہے ہیں.....؟“

”ان پرائف آئی آر کرو.....!“

”کمر میں رسی باندھ کر لے چلو.....“

سیکیوریٹی گارڈ آیا۔

”سی ایم بلا رہے ہیں!“

شروانی کا چہرہ فق ہو گیا۔

”گئے بھیترا کیڑ کیٹوا نجیر.....!“ ایک نیتا بولا۔

”کوئی نہیں بچا سکتا.....!“

”اب لال گھر میں مولی اکھاڑو.....!“

رام چترپاسبان قریب آکر کانوں میں پھسپھسایا۔

”سی ایم کا پاؤں پکڑ لیجئے.....!“

شروانی نے نفرت سے رام چترپاسبان کو گھورا اور دھڑکتے دل کے ساتھ قتل گاہ میں داخل ہوئے۔

صیاد کرسی پر ننگے بدن بیٹھا تھا۔ جسم پر صرف دھوتی تھی۔ سینے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جمع تھیں..... شروانی کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا..... ”مائی.....! یا اللہ! کسی طرح مائی کی ترسیل ہو جاتی.....! کسی طرح.....“

”؟ اور شروانی نے فوراً جھک کر آداب کہا اور اپنا نام بتایا۔

”حضور خاکسار کو نفیم الدین شروانی کہتے ہیں.....!“ نام بتاتے ہوئے شروانی نے صیاد کی

آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے اس طرح جھانکا جیسے پوچھ رہے ہوں۔

”.....سمجھا.....؟ میں ہوں ”ایم.....!“

”حضور.....! پمپ میں تھوڑا سا فالٹ ہے..... ابھی ٹھیک کر دیتا ہوں..... ابھی پانی ملے

گا.....!“ شروانی عاجزی سے بولے۔

جواب میں صیاد نے کلانی کے پاس سے ہاتھ کا گردن پر چاڑھ سا بنایا اور بولا۔

”تم ہمیں کو پانی نہیں دو گے.....؟“ پھر اس نے ہاتھ کو اس طرح جنبش دی جیسے گردن

کاٹ کر کٹی کٹی کر دے گا۔

شروانی اچھل پڑے..... ہو گئی مائی کی ترسیل..... مکمل ترسیل..... ”تم ہمیں کو پانی نہیں دو گے.....؟ ہمیں کو.....؟

ہم نے تمہیں تحفظ دیا..... ورنہ تمہاری حیثیت کیا.....؟“ ملچھ.....؟ تم ہر موڑ پر بھیر اور بکری کی طرح کاٹے

جاتے ہو.....؟ کیا اوقات ہے تمہاری.....؟ تمہاری گردن تو رام رتھ کے نیچے چکی جائے گی.....! یہ ہم ہیں کہ تم

محفوظ ہو اور تم ہمیں کو ووٹ نہیں دو گے.....؟ تم ہمیں کو پانی نہیں دو گے.....؟ ہمیں کو.....؟“

”پانی..... پانی کیا چیز ہے حضور.....؟؟؟ آپ خون مانگیئے.....! ہم خون دیں گے.....!“

شروانی کے منہ سے برجستہ نکلا۔

”واہ شاباش“

”سیانہ ہے سالا.....!“

اور صیاد کا زوردار قبضہ گونجا ”ہاہاہاہا.....!“

سبھی ششدر رہ گئے.....! آخر کیا گرومنٹر پڑھا شروانی نے کہ سی ایم کا جلال جمال میں بدل گیا..... شروانی بھی جیسے سکتے میں تھے کہ ایسے الفاظ ان کے منہ سے ادا کیسے ہوئے.....؟
سی ایم مسلسل ہنس رہے تھے۔ ہنسی رُکی تو بولے۔

”کیا نام بتایا.....؟“

”فہیم الدین شروانی۔“

”شروانی.....!“ سی ایم نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولے۔

”شروانی جی..... آپ اطمینان سے کام کیجئے.....!“

شروانی نے پھر جھک کر آداب کہا اور باہر آئے تو ہوا میں تیرتے ہوئے آئے تھے.....

شروانی جہان نگری سے لوٹے تو سُرویر میں تھے۔ ریست ہاؤس کا منظر بار بار نگاہوں میں گھوم رہا تھا اور کانوں میں سی ایم کے قبضہ گونج رہے تھے اور یہ کہ سی ایم نے جی کہہ کر مخاطب کیا.....

جی کے لفظ نے شروانی کے دل و دماغ میں ایک طلاطم سا پیدا کر دیا تھا۔ ان کو لگتا جیسے ارد گرد ایک دھند سی پھیلی ہے اور کوئی پاس ہی کسی اونچے مینار سے انہیں مسلسل آواز دے رہا ہے۔ ڈھان چو بھی معنی خیز نظروں سے دیکھتا، کبھی مسکراتا کبھی گردن ہلاتا اور شروانی کو محسوس ہوتا جیسے ڈھان چو ایک ایسے راز سے واقف ہے جو عنقریب ہی سب پر آشکارہ ہوگا..... ایک بار اس نے دور اُفق کی طرف اشارہ کیا ”بھیا بھیا..... مینار.....؟“

ایک ارب آبادی والے نظام جمہوریہ کا بلند و بالا مینار جو ڈھان چو کے خواب میں سانپ کی طرح لہراتا تھا شروانی کی نظروں میں قوس و قزح بن کر اُبھرا.....

شروانی نے سہرن سی محسوس کی.....

مینار تک پہنچنے کا راستہ دھند سے اٹا ہوا تھا اور اعلیٰ کمان پاس آنے کا اشارہ کر رہے تھے.....

”شروانی جی.....! شروانی جی.....!“

شروانی کو لگا ”جی“ کا لفظ ایک لائنس ہے جو اعلیٰ کمان نے انہیں مینار تک رسائی کے لئے عطا کیا ہے۔

ان دنوں اڈوانی حوالہ کا نڈ سے بری ہوئے تھے..... اور آہستہ آہستہ سبھی بری ہوئے..... یہاں تک کہ دور سنچار منتری بھی جس کے سر ہانے سے سی بی آئی نے ایک کروڑ کی رقم برآمد کی تھی اس نے پہاڑ پر دوسری پارٹی بنائی اور بی جے پی کے گٹھ جوڑ سے پھر منتری بن گیا.....!

یہ غیر مفتوح لوگ ہیں..... شروانی نے سوچا..... جمہوریت کے ناخدا..... یہ مالک ہیں ہم غلام ہیں حوالہ کا نڈ ہویا چارہ گھوٹالہ مالک عدالت سے ہمیشہ بری ہو جائیں گے..... انہیں مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا..... انہیں ہوا بھی چھو کر نہیں گذر سکتی..... اماں کہیں ہے تو یہیں ہے..... عام آدمی موجودہ نظام میں محفوظ نہیں ہے لیکن سیاسی نمائندے محفوظ ہیں.....؟ ایک ارب آبادی والے نظام جمہوریہ کا بلند و بالا مینار شروانی کی نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا..... کسی طرح رسائی ہو جاتی.....؟ پھر تو ہاتھ میں زنجیر ہوگی اور پٹے میں ہندوستان.....!

بس ہاؤس میں انٹری چاہئے.....

اور وہاں تک جانے کے دوراستے تھے..... پہلا تھا الیکشن..... دوسرا شارٹ کٹ تھا۔ جہاں پارٹی کے اعلیٰ کمان اپنے امیدوار نامزد کرتے تھے.....

شروانی کی نظر شارٹ کٹ پر جم گئی.....!

دھند اچانک چھٹ گئی اور شروانی نے دیکھا مینار تک پہنچنے کا شارٹ کٹ چاندی سے اٹا ہوا تھا.....

”شروانی جی.....! شروانی جی.....!“ کسی نے مینار سے آواز دی.....!

جواب میں شروانی نے بھی ہاتھ ہلایا اور وکٹری سائن بنائی اور آہستہ سے بڑبڑائے۔

”سو نے کی اینٹیں بچھا دوں گا.....!“ اور ان کے ہونٹوں پر پُر اسرار سی مسکراہٹ ریگ گئی

ان دنوں ایک اور واقعہ ظہور پذیر ہوا..... ایک چھٹ بھیلانچ کے وقفہ میں دفتر آیا۔

”اسلام علیکم!“

”وعلیکم اسلام!“

”خاکسار کو سلطان حیدر جوش کہتے ہیں!“

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ شروانی مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

”میں یوادل کا پرکھنڈ سچو ہوں۔“

”فرمائیے!“

”ہماری پنچائت میں مسجد بن رہی ہے۔“

”خوشی کی بات ہے۔“

”اس میں ایک ٹل لگا دیتے.....!“

”ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔“

”میں بہت اُمید لے کر آیا تھا۔“

”ایسا ہے کہ ہم لوگ اپنی مرضی سے کہیں بھی ٹل نہیں لگا سکتے ہیں۔ سرکار نے اس کا اختیار

جن پر تہی ندھی کو دیا ہے۔“

”تعمیر کے لئے کچھ چندہ دیجئے.....!“

”مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے.....“ شروانی مسکرائے۔

”میں بھرنا چارستی کا بھی ممبر ہوں“ نو جوان شروانی کو گھورتا ہوا بولا

شروانی چونک پڑے..... گلے کا پٹہ.....؟

”آفس میں کیا کیا ہوتا ہے ہم لوگ خوب جانتے ہیں۔“

”کیا کیا ہوتا ہے آفس میں.....؟“ شروانی کو غصہ آ گیا۔

”یہی..... تین پانچ جو آپ لوگ کرتے ہیں.....؟“

”ہم لوگ تین پانچ کرتے ہیں.....؟“

”بالکل.....“

”اور مادر چود تم کیا کرتے ہو.....؟ اکٹھ باسٹھ.....؟“ شروانی کے منہ سے برجستہ نکلا۔

نو جوان کو اس جواب کی توقع نہ تھی۔ شروانی کو بھی توقع نہیں تھی۔ نو جوان سٹپٹا گیا۔ شروانی کو فوراً اس کا احساس ہوا

کہ نو جوان کمزور پڑ گیا ہے..... بس یہی موقع ہے حاوی ہونے کا..... اور شروانی زور سے گرے۔

”حرامزادہ.....! بلیک میل کرتا ہے۔“

”سی ایم شروانی جی کہہ کر پکارتے ہیں..... اور یہ چُھٹ بھیا.....؟“

شروانی نے زوردار تھپڑ گال پر رسید کیا۔

شور سن کر چراسی دوڑا ہوا آیا۔ شروانی کے اشارے پر چراسی نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور باہر

لے گیا۔

شروانی کے ہونٹوں پر پُر اسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

باہر نو جوان چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”دیکھ لوں گا اگیکے بیکٹو کو..... کورٹ میں کھینچ کر لاؤں گا.....!“

”جو کرنا ہو کچھنے گا..... یہاں سے نکلیئے.....!“ چراسی نے گھر کی دی۔ وہ نو جوان کی

اوقات سمجھ گیا تھا۔

شروانی بدستور مسکرا رہے تھے۔ یہ سوچ کر ان کو حیرت ہوئی تھی کہ واقعہ کس قدر ڈرامائی تھا۔ یہ خود ساختہ عمل نہیں تھا

۔ یہ ایک سیاسی عمل تھا۔ ماہر سیاست جس طرح منصوبے بناتا ہے پھر عمل کرتا ہے..... انہوں نے بھی سوچا حاوی ہو

نا چاہیئے اور حاوی ہو گئے.....! شروانی مسکرائے۔ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ ان کو ناخن دھاردار معلوم ہوئے

اور ہاتھ بھی بالوں سے بھرے بھرے نظر آئے اور مخملی دھند کے پرے کوئی رہ رہ کر پکارنے لگا۔

”شروانی جی.....شروانی جی.....!“

شروانی پر سُرور سا چھانے لگا.....

اعلیٰ کمان ہوتے تو کیا کہتے.....؟

میاں ہی میاں کو مارے ہے رے بھیا.....ہو.....ہو.....ہو.....!!

یہ ایک ایسا واقع تھا کہ شروانی کی آنکھوں میں خود اعتمادی کی چمک پیدا ہو گئی اور گلے میں پٹے کی چبھن کا احساس کہیں گم ہو گیا۔ شروانی کو احساس ہوا کہ وہ ناخن بھی رکھتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں بھی زنجیر آسکتی ہے..... بس مینار تک رسائی شرط تھی.....؟



ایک ارب آبادی والے نظام جمہوریہ کا بلند و بالا مینار.....

لاہی میں لکڑ بھگے ہنستے تھے اور عدالت عالیہ کو فکرتھی کہ ان کے عمل دخل کو کس طرح روکا جائے.....؟

الیکشن کے دن قریب تھے اور دودھ میں شکر کی طرح گھل رہا تھا سیاست میں جرم.....!

عدالت عالیہ کی ایما پر چناؤ کمیشن نے ہدایت نامہ جاری کیا کہ اُمیدوار کو نامزدگی کا پرچہ داخل کرنے سے پہلے جائیداد اور ذاتی ملکیت کا انکشاف کرنا ہوگا اور حلفنامہ دائر کرنا ہوگا کہ کسی مقدمے میں ملوث نہیں ہیں اور یہ کہ ان سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا ہے.....!

تیندو امسکرایا..... لکڑ بھگا ہنسا..... بھیڑ یا غڑایا..... گھوڑے..... گدھے..... سور بھی گول بند ہوئے..... سبھوں نے ایک ساتھ نفی کی مہر لگائی۔

”سیاست داں کو لازم نہیں ہے کہ اپنا ماضی بتائے.....“

اور ایسے ہی موقع پر مسز کمند چگانی کے جنسی جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت ڈرائیونگ روم میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ جب یہ خبر نشر ہوئی کہ پارلیامنٹری بورڈ کی مینٹنگ میں سبھی سیاسی رہنماؤں نے چناؤ کمیشن کی تجویز کو بیک زبان رد کر دیا تو مسز چگانی کے جسم پر چیونٹیاں سی ریگنے لگیں..... انہوں نے آنکھیں بند کر لیں..... مختلف سیاسی پارٹیوں کے رہنما ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے ستا کے گلزارے سے جھانکتے نظر آئے..... ایک لمحہ کے لئے مسز چگانی نے سوچا کہ مہیلا کمیشن کا بل تو پاس ہونے نہیں دیا..... چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلاف ظاہر کرتے ہیں لیکن جب ذاتی مفاد پر آنچ آئے لگتی ہے تو سب کچھ بھول کر ایک جٹ ہو جاتے ہیں..... ان کے دل میں گروپ سیکس کی عجیب و غریب خواہش نے انگریزی لی.....

مسز چگانی نے آنکھیں بند کر لیں..... وہ خود کو پارلیا منٹ میں محسوس کر رہی تھیں..... ویل کے بیچ و بیچ..... ہاؤس میں ہنگامہ تھا۔ سمتا پارٹی کا ایک نمائندہ دھوٹی کی گرہ کھول رہا تھا۔

”سیاست داں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ حلف نامہ دائر کرے.....!“

اور پھر آہستہ آہستہ بھی ننگے ہونے لگے.....

ایک رہنما دوڑ کر آیا اور رپورٹ ٹیبل پر کھڑا ہو گیا.....

”پہلے جرم ثابت کرو.....“

”ہاں..... ہاں.....! پہلے جرم ثابت کرو.....!“ چاروں طرف سے آواز آئی۔

”جب تک عدالت عالیہ سے فیصلہ نہیں ہو جاتا کسی سیاست داں کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا

.....!“

”جرم بھی سنگین ہونا چاہیئے.....!“

”گھوٹالا سنگین جرم نہیں ہے.....“

مسز چگانی کو ہاؤس میں ایک جج نظر آیا۔ پاس ہی ایک آئی اے اس افسر بھی بیٹھا تھا۔ مسز چگانی کو دیکھ کر دونوں بیک وقت مسکرائے اور آکر اغل بغل کھڑے ہو گئے۔ پھر دونوں نے باری باری ان کے کوہلے سہلائے۔ مسز چگانی مسکرائیں۔

”واہ کیا بات ہے.....! ایک طرف جیوڈیشیری دوسری طرف اڈمنسٹریشن.....!“

”عیش کرو.....! جوجی چاہے کرو.....!“

جوجی چاہے..... جیوڈیشیری اور اڈمنسٹریشن دونوں ساتھ ہیں.....!

ایک رہنما نے دھوٹی اتار کر گرسی پر رکھ دی اور تال ٹھوکنے لگا۔ مسز چگانی اس کو پہچان گئیں۔ یہ بی بی جے پی کا ایم پی تھا اور لیٹر آف کریڈیٹ گھوٹالا میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”فرقہ وارانہ فساد سنگین جرم نہیں ہے۔“

”موب میں قتل سنگین جرم نہیں ہے۔“

”سفید پوشوں کا گھوٹالا سنگین جرم نہیں ہے.....!“

”پھر سنگین جرم کیا ہے.....؟“ مسز چگانی اس سے سٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ ایم پی نے ان

کو فرش پر گرا دیا اور چھاتیوں کو زانوں سے دبا کر بولا۔

”اب تمہیں ریپ کروں تو سنگین جرم ہوگا.....!“

”لیکن یاد رکھو موب میں تمہارا ریپ ہوگا تو سنگین جرم نہیں ہوگا۔“

”کیوں.....؟“

”مان لو تم کسی چرچ میں نہ ہو اور میں موب میں تمہارا ریپ کروں تو یہ رد عمل ہے۔ کھیا کہے

گا کہ مذہب پر بحث ہونی چاہیئے..... اور بس قصہ ختم.....!“

مسز چگانی نے پیار بھری نظروں سے سیاست داں کی طرف دیکھا۔ ان کے جی میں آیا اس کا منہ چوم لیں.....

”مذہب پر بحث.....؟“

یہ بات پہلے بھی سنی ہے..... یاد آیا.....! ایک بار موب میں کسی نے ترشول سے صلیب پروار کیا تھا..... ترشول کی نوک صلیب کے قلب میں پیوست تھی۔ خون کا فوارہ پھینک رہا تھا۔ لیکن ترشول پر خون کی ایک بوند بھی نہیں پڑی..... یہاں تک کہ اس کی نوک جو قلب میں پیوست تھی خون سے بے داغ تھی۔

”میری جان ترشول میں خون کے داغ نہیں لگتے.....“

”موب میں فرد کی پہچان نہیں ہوتی۔“ مسز چگانی کے کولہے پر نچ نے ایک دھپ لگایا۔

بجھے دت پھنس گیا کہ اکیلا تھا۔ اگر موب میں ہوتا تو نہیں پھنستا۔

”اس کے ہاتھ میں اے کے ۴۷ رائفل تھی اس لئے پھنس گیا اگر ترشول ہوتا تو نہیں پھنستا

..... تب وہ الیکشن بھی لڑ سکتا تھا کم سے کم بی جے پی تو ٹکٹ ضرور دیتی۔“

یاد رکھو! ترشول میں خون کے داغ نہیں لگتے.....! تم اگر موب میں ہو اور ہاتھ میں ترشول

ہے تو تم کچھ بھی کر سکتے ہو..... تم بستی کی بستی پھونک سکتے ہو..... تم شکم مادر چیر کر بچے کا سر

نیزے پر اٹھا سکتے ہو..... پادری کو زندہ جلا سکتے ہو..... تم قاتل نہیں کہلاؤ گے.....!

تمہارے اس عمل کو رد عمل کا نام دیا جائے گا..... اور کیا کہے گا کھیا.....؟ کھیا کہے گا مذہب پر

بحث ہونی چاہیئے.....!

افسر نے چھاتیاں ٹٹولیں اور ہنسنے لگا..... ”تمہاری ایک چھاتی کیا ہوئی.....؟“

”ہا..... ہا..... ہا..... یہ تو یوٹی آئی گھوٹالا ہو گیا۔“ ایم پی ہنسنے لگا۔

فنانس منسٹر قریب آیا اور آہستہ سے بولا ”موریشس روٹ سے نکل گئی.....!“

”موریشس روٹ.....“

ایم پی نے بلاؤز کے اندر ہاتھ ڈالا.....

”کیا کرتے ہو.....؟“

”روٹ تلاش کر رہا ہوں.....“

مسز چگانی اپنا ہاتھ منسٹر کی جانگھ کے درمیان لے گئیں.....

”تمہارا سینیکیس.....؟“

فناس مسٹر شرما گیا۔

اور مسز چگانی اچانک چلائیں.....

”اری! یہ تو تین ہزار پر جھول رہا ہے.....!“

”اے فناس مسٹر! سال بھر پہلے یہ چھ ہزار پر بند ہوا تھا اور اب تین ہزار پر آ گیا.....؟“

فناس مسٹر سر جھکائے کھڑا رہا۔

”بولتا کیوں نہیں.....؟ گورنمنٹ وداے ڈفرنس۔“

موریشس روٹ سے ہزار کروڑ روپے غائب.....

اس میں میرے چیرا سی کے بھی میں ہزار شامل تھے جو اس نے پی ایف سے نکال کر اس میں لگائے تھے۔

”کمال ہے..... فناس مسٹر..... کمال ہے یو ایس ۶۴ کو موریشس پہنچا دیا.....“

مسز چگانی اس کے سینے سے لگ گئیں..... ”تم عظیم ہو..... مجھے پیار کرو.....! گورنمنٹ

وداے ڈفرنس.....!“

”فناس مسٹر! یو آر گریٹ.....! کس می.....“

فناس مسٹر مسز چگانی کو چومنے لگا۔ جج ان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور افسر نے اپنا چہرہ ان کے پیٹ میں چھپا لیا.....

مسز چگانی کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں..... جسم زور زور سے حرکت کرنے لگا اور منہ سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکلنے

لگیں..... کمال کا گٹھ بندھن..... کوئی حلف نامہ نہیں..... پہلے مجرم ثابت کرو.....

مجرم..... مجرم..... موریشس روٹ سے بھاگا..... بھاگا..... بھاگا.....!!!

”میڈم کہاں کھو گئیں.....؟“ مسٹر چگانی نے ان کے گال تھپتھپائے۔

مسز چگانی نے آکھیں کھولیں۔ ادھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں.....!

چناؤ کمیشن نے ملک میں عام انتخاب کا اعلان کیا..... تین، چھ، اور دس مارچ.....! انہیں دنوں ایک خبر آگ کی

طرح پھیلی کہ مایا سہنی نے بی جے پی سے استعفیٰ دیا.....!!!“

کمل ناتھ منڈل نے دلت مورچہ سے استعفیٰ دیا اور سمتنا پارٹی میں شامل ہو گئے اور مسز کمند چگانی بھی بی جے پی کی

ممبر ہو گئیں۔



مایا سہنی اگر ڈکشنری کے پنے نہیں اُلٹی تو بی جے پی سے استعفیٰ نہیں دیتی.....!

اس کو غصہ لفظ ”سادھ“ کی تشریح پر آیا۔ ہندوؤں کی ایک بچ جاتی جو سور پالیتی ہے.....! اگھم..... دُشٹ

..... اور پاکھنڈی! مایا کو یاد آیا اڈم صاحب نے بھی ایک ڈکٹسری ترتیب دی ہے جس میں ”دسادھ“ کے معنی لکھے ہیں ”ویشیش جاتی جو سور پاتی ہے“ مسٹراڈم ہندو نہیں تھے۔ اس لئے ذات پات کا فرق نہیں تھا۔ ”دسادھ“ کو ویشیش جاتی بتایا۔ ”نچ جاتی“ نہیں۔ لیکن یہ براہمن؟ انہیں ہم ہمیشہ نچ نظر آتے ہیں؟ اور شری دھرت پانچھی تو ایک قدم آگے بڑھ گئے ”اتنیت نچ جاتی“ بتایا نچ سے بھی نچ! کیوں؟ آخر نچ کیوں؟ پُر ان میں سور کو وشنو کا اوتار بتایا ہے پھر سور پالنے والا نچ کیسے ہوا؟ اور پھر دُشٹ اور پاکھنڈی کیوں لکھا؟ کیا نچ جاتی دُشٹ ہوتی ہے؟

مایا کا دل نفرت سے بھر گیا! یہ براہمن؟ انہوں نے ہمیشہ اپنی برتری یہ کہہ کر ثبوت کی۔ اونچ نچ کی ویوستھا سنان ہے۔ وہ ہمیشہ پاک رہیں گے اور ہم ناپاک! مایا کو اپنے آپ پر غصہ آ گیا کہ ابھی تک بی جے پی میں کیوں تھی اور اپنا تشخص اونچی ذات والوں سے قائم کیا کوئی اگر دُشدر ہے تو احساس کمتری کیوں؟ لیکن امید کرا احساس کمتری میں مبتلا تھے۔ وہ دُشدروں کو آریوں کی ذات سے سورج وُشی بتاتے تھے۔ دُشدروں کو انہوں نے چھتری وُش کا حصہ مانا ہے۔ یہ احساس کمتری ہے۔ ہم کیوں خود کو چھتری وُش سے جوڑیں؟ یعنی ہم چھوٹی ذات کے ہیں تبھی تو بڑی ذات میں ملنا چاہتے ہیں؟ یہی کام تو براہمن نے کیا۔ ہمیں دُشدر بتایا اور اپنی برتری ثبوت کی۔ امید کر بزدل تھے۔ وہ منو واد سے لڑ نہیں سکے اور بودھ مت اختیار کیا۔ انہوں نے خود کو دُشدر سمجھا اور اپنی ہی نظروں میں ذلیل رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندو بن کر براہمن واد سے نہیں لڑا جاسکتا۔ یہ ان کی غلطی تھی امید کرنے بودھ مت میں فرار حاصل کیا اور اپنے پیچھے پوری نسل کو بے سہارا کر دیا۔ ایک لڑائی فرار میں بدل گئی براہمن واد کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا! زندگی کے تمام پہلوؤں سے براہمن کے عمل دخل کو رد کرنا ہوگا! مایا نے بی جے پی سے استغفے دے دیا۔

شروانی کو مایا کا فون موصول ہوا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے۔

”کیا واقعی؟“

”واقعی۔“

”وہ دھاگہ؟“

”سلجھ گیا!“

”یقین نہیں آرہا ہے“

”تمہاری کلائی پر باندھوں گی“

”آؤ!“

شروانی نے مایا کا خیر مقدم کیا۔ ڈھان چو بھی مایا کو دیکھ کر خوش ہوا اس کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔

”دیدید دیدی.....!“ ڈھان چو نے دور اُفتق کی طرف اشارہ کیا۔
”کچھ بتاؤ بھیا.....!“ مایا نے خوش دلی سے پوچھا۔ ڈھان چو اچانک اُداس ہو گیا اور جا کر اپنے کمرے میں لیٹ گیا۔

”کیا کہا بھیا نے.....؟“ مایا شروانی سے مخاطب ہوئی۔
”دور اُفتق کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی تم ترقی کرو گی.....!“ شروانی مسکراتے ہوئے بولے۔
”ایک بات کی داد دوں گی شروانی.....“

”کس بات کی.....؟“
”تمہاری پلٹیکل انسائٹ.....!“

”وہ کیا.....؟“
”تم نے بالکل صحیح کہا کہ براہمن کی لڑائی مسلمانوں سے محمود غزنوی کو لے کر ہو سکتی ہے لیکن دلت ہندو مسلمانوں سے کیوں لڑے گا؟ دل تو منوا سمرتی کو لے کر منوادیوں سے لڑے گا.....!“

شروانی مسکرائے۔

”یہ بات بیک وارڈ نہیں سمجھتے۔“
”انہیں سمجھانا ہوگا۔“
”میں ایک تنظیم بنانا چاہتی ہوں۔“
”کیسی تنظیم.....؟“
”کچھڑی جاتی، دلت اور اقلیت جب تک ساتھ نہیں ہیں بات نہیں بنے گی۔“
”کچھڑی جاتی میں اکیلا مشکل ہے۔“
”کچھڑی جاتی میں انیک جاتیاں ہیں۔ ان کا ایک ہونا مشکل ہے۔“
”وہ تو ہے۔“

”یادو اور کرمی کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ یہ اپنے کو بیک وارڈ نہیں سمجھتے۔ تم انہیں بیک وارڈ کا کلین ورگ کہہ سکتی ہو..... طبقہ اشرافیہ..... کرمی اور راجپوت میں گٹھ بندھن ممکن ہے لیکن کرمی اور یادو میں گٹھ بندھن ممکن نہیں ہے۔“

”لیکن ہم جب تک ایک پلیٹ فارم پر نہیں آتے فاشٹ قوتوں سے نہیں لڑ سکتے۔“
”ابھی تو دوپول ہیں..... ایک بی جے پی اور دوسری طرف سیکولر طاقتیں..... لیکن بی جے
پی کی طرف مسلسل شفٹ کا عمل بھی دیکھنے میں آ رہا ہے۔“
”ہندو دھرم خطرے میں اس وقت پڑتا ہے جب ورن ویستھا خطرے میں پڑتی ہے۔
براہمن واددلت اور کچھڑے ورگ کا مانسک شوشن کرتا ہے۔ براہمن ہتیا کا پاپ نہیں لگے یہ
بات بچ جاتی کہ من میں بیٹھا دی گئی ہے۔“
”تمہیں یاد ہے پچھلی بار فاروڈ کے ایک گاؤں میں چالیس بھومی ہار کا ایک رات قتل ہوا تھا
.....؟“ شروانی نے پوچھا۔

مایا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”وہاں ایک براہمن کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا گیا کہ برہم ہتیا کا پاپ مت لو.....؟“
”براہمن واد کے سمول ناش کا آندولن چلانا ہوگا.....!“ مایا جوش میں بولی۔
”یہ آسان نہیں ہے۔“
”یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم ان کے مٹھ پر قابض ہو جائیں..... یہ شکتی کے کیندر ہیں
..... ان پر قبضہ جمانا ہوگا۔ جب تک مٹھ ہاتھ میں نہیں آتے منو وادی ویستھا کو نہیں بدلا جا
سکتا.....!“
”بہت مشکل ہے۔“

”ہمیں اپنے براہمن پیدا کرنے ہوں گے۔ ایسے ادارے قائم کرنے ہوں گے جہاں
دلت طبقہ کو مذہبی تعلیم دی جاسکے..... اسے پروہت بنایا جائے۔ معاشرے میں وہ براہمن کا
بدل ہو۔“

شروانی ہنسنے لگے۔ ”گویا ایک براہمن واد ختم کر کے دوسرا شروع کیا جائے..... دلت
براہمن واد.....!“

”اور راستہ کیا ہے.....؟ بی جے پی پھر سے براہمن واد قائم کرنا چاہتی ہے اور اس لئے
آئین میں بدلاؤ کی تجویز بھی رکھتی ہے۔ آئین جاتی پردھان نہیں ہے۔ اس میں سبھی
جاتیوں کا سمولیش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی جے پی سیکولرزم کو بخار سمجھتی ہے.....“

”ایک بات یاد رکھو.....! سبھی اونچی ذات والے ایسی ذہنیت نہیں رکھتے جیسے رام موہن رائے، ودیا ساگر، گھوکھے اور رام منوہر لوبھیا جیسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے ہندو فاشزم کی مخالفت کی ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کو لے کر چلنا ہوگا۔ لوگ ملتے جائیں گے کارواں بنتا جائے گا۔“

”تم کیا اب دلت مورچہ جو اُن کرو گی.....؟“

”میں آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑوں گی.....“

”میں سماجی سنسٹھا بھی قائم کرنا چاہتی ہوں..... اسکول کالج اور سوشل سروس کے ادارے..... دلت طبقہ تکنیکی تعلیم حاصل کرے..... کوچنگ کی سہولت ہو.....“

”تم نے پہلے یہ سب کیوں نہیں سوچا.....؟“ شروانی مسکرائے

ان لوگوں نے موقع نہیں دیا اور میرا استعمال کرتے رہے.....“

”اچانک ان سے اتنی نفرت کیوں.....؟“

”ڈکشنری پڑھ کر.....!“ مایا ہنسنے لگی۔ شروانی بھی ہنسنے لگے۔

”ذرا سوچو شروانی! دسا دلفظ جو براہمن کے ہاتھ لگا تو صدیوں کی نفرت سمٹ آئی..... لکھتے ہیں اتہیت بچ جاتی..... دشت اگھم اور پاکھنڈی.....؟ بچ جاتی کیوں لکھا.....؟ یہ نفرت کا لاشعوری اظہار ہے..... لکھ سکتے تھے ایک خاص قسم کے لوگ تو تھک آمیز نہیں معلوم ہوتا لیکن ہزاروں سال کی نفرت تو اپنے اظہار کا وسیلہ ڈھونڈ لیتی ہے.....!“

”تم ایسے وقت پر نکل آئی ہو کہ ان کو کھلے گا..... تم فائر برانڈ لیڈر ہو.....؟ تم ان کے بہت سے راز جانتی ہو گی.....؟“

”بی جے پی کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے کو وہ ہندو تو کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس لئے ایودھیا کے ساتھ کاشی اور مٹھرا میں بھی مندر مسجد تنازعہ کھڑے کرے گی۔ یہاں تک کہ کشمیر کا مسئلہ بھی اس کے لئے دلش کی ایکتا سے زیادہ ہندو اور مسلمان کا معاملہ ہے۔ اس کے پاس مسلم ایجنڈا ہے۔ ہندو ایجنڈا نہیں ہے یہ مسلم مخالف کا مپلیکس میں مبتلا نظر آتی ہے..... ایسے حالات میں یہ جمہوری نظام میں فٹ نہیں ہوتی۔ یہ ایک فاسٹ پارٹی ہے۔ بی جے پی کا مزاج ڈیموکریٹک نہیں ہے۔“

”بی بی جے پی جب تک معمولی پارٹی تھی اس کو نظر انداز کر دوسری پارٹیوں کے تال میل سے سرکار بنائی جاسکتی تھی لیکن اب یہ بڑی پارٹی ہے علاقائی پارٹیوں کو چاہیے کہ مل جل کر اسے اقتدار میں آنے سے روکیں ورنہ یہ چھوٹی موٹی پارٹیوں کو نگل جائے گی.....“

”بی بی جے پی ابھی اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ کانٹینٹیشن بدل سکے۔ لیکن اقتدار میں رہ کر مذہبی جنون کو بڑھا دے سکتی ہے اور آئین کے مطابق چلنا دشوار کر سکتی ہے۔ جیسا اس نے بامری مسجد توڑ کر کیا۔ جب تک بی بی جے پی اسٹیٹ میں ہے مرکز سے مداخلت کی امید بھی ہے لیکن خود مرکز میں آجائے گی تو ایسا ماحول پیدا کر جمہوری اقدار کا ملیا میٹ کر سکتی ہے۔ کیوں کہ بی بی جے پی آئین بدلنا چاہتی ہے۔ یعنی اقلیت کے حقوق پامال ہوں گے..... مثلاً دھارا ۱۵-۴ اور ۶۱-۴ سے بی بی جے پی دکھی ہے۔“

”اس لئے اقلیت اور دلت کو ایک ساتھ ہونا چاہیے.....“ شروانی مسکرائے۔
”اور بچھڑی جاتی کے جو لوگ ساتھ آسکیں.....“

”تمہیں کیا لگتا ہے؟ بی بی جے پی پاور میں آئے گی.....؟“ شروانی نے پوچھا۔
”پوری دنیا میں فاشرزم تیزی سے گرو کر رہی ہے..... ہمارے یہاں یہ بی بی جے پی کی صورت چھا رہی ہے۔ اگلے ایک دو الیکشن تک بی بی جے پی حکومت بنا لے گی.....!“ پھر مایا جذباتی ہو گئی۔

”شروانی! ہمیں بہت کام کرنا ہے..... وقت کم ہے اور راستہ کٹھن.....“
”میں ساتھ ہوں!“ شروانی بھی سنجیدہ ہو گئے۔

ڈھان چو اپنے کمرے سے نکل کر آیا۔

”بھیا سے پوچھوں.....؟“ مایا نے شروانی سے پوچھا۔
”پوچھو.....!“ شروانی بولے۔ ڈھان چو قریب آ کر بیٹھ گیا تو مایا اس سے مخاطب ہوئی۔
”بھیا آ شرواد چاہیے.....“

ڈھان چو اچانک آبدیدہ ہو گیا۔ چند لمحے مایا کو تکتا رہا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ شعر پڑھا۔
ایک ردا زینب کے سر پر اب بھی سربسز
وہ بھی رنگ نہ غیر کو بھایا چھین کے کر دیا لال
شروانی ڈھان چو کے اس انداز سے گھبرا گئے۔ ڈھان چو آنسو پوچھتا ہوا کمرے میں لوٹ گیا۔

”میں سمجھی نہیں.....!“ مایا کا لہجہ بھی اُداس تھا۔

”اُن کا یہی انداز ہے۔“ شروانی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

”چلتی ہوں.....!“ مایا گرسی سے اُٹھتی ہوئی بولی۔

”تمہیں پاؤں پاؤں سے ملاؤں گا۔“

”کون پاؤں.....؟“

”میرے اسٹنٹ.....! دلت میں شادی کی ہے۔ بہت سلجھے ہوئے دماغ کے آدمی ہیں۔

تمہاری سنسٹھا کے لئے مناسب رہیں گے.....!“

”او کے بائی.....“

”بائی!“

﴿ ۷ ﴾

الیکشن کے دن ہیں.....

اور بی جی پی کے خیمے میں نئے نئے لوگوں کا آنا کسی کرم کانڈ کی طرح جاری ہے۔ کل ایمس کے سابق ڈاکٹر آئے..... آج ریٹائرڈ فوجی کرنل..... فلمی اداکار بھی آئے..... اور آئی اے اس افسر بھی.....! کانگریس کے بچے میں ترشول کی نوک گڑ گئی..... کچھ پُرانے کانگریسی نیتا کو بھگوارنگ بھاگیا۔ سمتا تو پہلے سے ہی گٹھ بندھن میں ہے..... بھاچا کے خیمے میں پھل بھی ہے پھول بھی ہے دھوپ بھی ہے ہوا بھی ہے.....!

الیکشن کے دن ہیں۔ رن نیٹی بن رہی ہے۔ اسٹیٹ کے چیف سیکریٹری ریٹائر ہونے والے تھے۔ آئی جی پولیس بھی اگلے ماہ ریٹائر ہوں گے۔ لیکن اعلیٰ کمان نے سوچ بوجھ سے کام لیا ہے۔ ریٹائرمنٹ کی مدت سال بھر کے لئے بڑھا دی ہے.....! دونوں ہی بھلے مانس ہیں۔ حکم عدولی نہیں کرتے۔ اب افسروں کو مناسب جگہوں پر تعینات کرنے میں سہولت ہوگی۔

چنناؤ کمیشن نے مشکلیں کھڑی کی ہیں۔ روز کے خرچ کا حساب دواور لاؤڈ سپیکر پر پرچار مت کرو..... کون پوچھتا ہے لاؤڈ سپیکر کو..... اب الیکٹرونک میڈیا کا دور ہے۔ اب فلمیں بیٹیں گی اور کیسیٹ ریلیز ہوں گے.....!

بی جی پی کے ہیڈ کوارٹر میں خوب چہل پہل ہے۔ کانفرنس ہال کے باہر لوگ جمع ہیں۔ کوئی سگریٹ کے کش لگا رہا ہے، کوئی بیتابی سے ٹہل رہا ہے، کوئی ہاتھ میں بیگ لئے ادھر ادھر بھاگ رہا ہے۔ یہ لوگ بی جی پی کی چنناؤ مہم کا ٹھیکہ لینے آئے ہیں۔ بچھلی بارٹاسک فورس کی ایڈگروپ کمپنی بازی مار لے گئی تھی۔ ستر سینڈ کی فلم ریلیز ہوئی تھی جس میں اٹل جی ہیرو تھے..... اٹل جی کو تینا پاٹھ کرتے ہوئے..... اس بار جو فلمیں بنیں گی وہ کیبلنٹ ورک پر بھی دکھائی جائیں گی..... دور درشن نے صرف ۱۲۲ گھنٹے کا وقت دیا ہے۔ پرائیوٹ چینل سے کام لینا ہوگا۔ زی اور اسٹار چینل

کے ساتھ مشکل ہے کہ بھگتان ڈال میں مانگتے ہیں۔ پورے اسٹیٹ میں تین سو کیسیٹ تقسیم ہوں گے۔ پچھلی بار آٹھ کروڑ کا بجٹ تھا۔ اس بار بارہ کروڑ کا بجٹ ہے۔ کانگریس نے اپنا بجٹ آٹھ کروڑ رکھا ہے۔ مسئلہ ہے اطالوی خاتون کو کس طرح ابھارا جائے؟ مادھیماکینی نے پوسٹروں کے لئے کچھ ڈیزائن بنائے ہیں۔ آدھے گھنٹے کی دو فلمیں بھی بن رہی ہیں۔ ادت نارائن اور کوپینا کے گیت رکارڈ ہو چکے ہیں۔ راجد کوتر اڑائے گا۔ پچھلی بار اس نے طوطے اڑائے تھے۔ چناؤ کمیشن کو کوتر پر اعتراض ہے۔ راجد کی کچھل ونگ نے ایک فلم اور تین آڈیو کیسیٹ بھی بنائے ہیں۔ لیکن جس چیز نے چناؤ مہم کو رنگین بنایا ہے وہ ہے بالائوں کا رقص..... کانوں میں لائین کی شکل کی بالیاں پہنے.....

پیا مورے.....

دلی میں بارولائین.....!

لیکن چھوٹی پارٹیوں کو پرنٹ میڈیا اور جلوس پر منحصر کرنا ہوگا۔ اب مداکچھ نہیں ہے..... نہ بھرشنا چار نہ سیکولرزم..... سارے مدے ختم ہو گئے۔ اب چناؤ مہم میں کرشمہ ساز شخصیتوں کی ضرورت ہے..... راجد کو بھی اب دلیپ کمار کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

بگل بج اٹھا۔ ۱۶ افوری تک پرچے بھرے جائیں گے..... جو گیندر سنگھ بھانوشرما اور سلطان میاں نے جیل سے ہی پرچے بھرا ہے۔ ان پر ڈاکہ زنی اور قتل کا الزام ہے تو کیا ہوا.....؟ عدالت عالیہ نے اپنا فیصلہ تو نہیں سنایا اور اٹل جی تو کہہ چکے کہ ہر سادھو کا ایک ماضی ہوتا ہے اور ہر مجرم کا ایک مستقبل.....!

ونو تو گڑیا نے دھوم دھام سے پرچے بھرا ہے۔ ان کا قافلہ راج مارگ سے گذرا۔ تو گریا جی تلوار کٹ دھوتی باندھے ہوئے..... رتھر پر سوار..... ماتھے پر تلک..... آگے موٹر سائیکلوں کا جتھا..... پھر جیپ..... پھر کار..... ہاتھی بھی ہے..... اونٹ بھی اور گھوڑے بھی..... بینڈ بج رہے ہیں..... چمپا بانی کتھک نرتیہ کر رہی ہے..... تو گریا جی پھولوں سے لدے ہیں..... پولیس کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے..... عورتیں چھت پر چڑھ کر دیکھ رہی ہیں..... بچے گاڑیاں گن رہے ہیں..... ایک..... دو..... تین..... چار..... کچھلی بار تو گڑیا جی پیدل چلے تھے..... اس بار رتھر پر ہیں..... آسمان نعروں سے گونج رہا ہے..... ”زندہ باد..... زندہ باد.....“ ایک بچے نے بھی نعرہ لگایا..... ”کمل چھاپ زندہ باد.....“

اطالوی خاتون پریشان ہیں۔ انہیں پچیس سیٹوں والے طیارے کہ ضرورت ہے جو بی جے پی پہلے ہی بک کر اچکی ہے۔ طیارے کا خرچ لاکھ روپے پی نے گھنٹہ ہے۔ بی جے پی نے سولہ سیٹوں والی دوڑ کوڑ اور تین ہیلی کوپٹر بھی کرائے

پر لیا ہے۔ لیکن غریب کی بیٹی سی ۹۰ سے کام چلائے گی۔ غریب کی بہن سولہ سیٹوں والی ڈکوٹہ استعمال کرے گی۔
اطالوی خاتون کو سات سیٹوں والے طیارے پر اکتفا کرنا پڑے گا..... اس کا خرچ ڈیڑھ لاکھ روپے فی گھنٹہ.....!
اطالوی خاتون الیکشن مہم پر نکلتی ہیں تو صرف سینڈوچ کھاتی ہیں اور کافی پیتی ہیں.....!
برسامنڈ ابھی حیران رہ جاتا.....!

بیس ہزار سے زیادہ آدمی باسیوں نے اطالوی خاتون کو دیکھا..... ہاتھ ہلا رہی تھیں اور لوگ خوشی سے جھوم رہے
تھے۔ ان کی دختر نیک اختر نے بھی ہاتھ ہلایا اور ایک نوجوان پر نشہ چھا گیا..... اس نے مجھے دیکھا اور ہاتھ ہلایا.....
؟

اطالوی خاتون سنبھل سنبھل کر بولتی ہیں۔ وہ بھارت ماتا کی بیٹی ہیں۔ اپنے شوہر کے ذکر میں وہ جذباتی بھی ہو جاتی
ہیں۔ بھارت ان کے سہاگ کی نشانی بھی ہے۔ بھارت سے لگاؤ انہیں یہاں تک کھینچ لایا..... انہیں کسی عہدے
کی چاہ نہیں ہے۔

خاتون اب ہمارے دلش اور ہماری سنسکرتی کی بھی باتیں کرنے لگی ہیں۔ انکشاف کرتی ہیں کہ گاندھی جی کے
ہتیارے میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ وہ جمو اور آسام میں بڑھتے ہوئے تشدد کی باتیں
کرتی ہیں۔ بہار میں غریبی کی باتیں کرتی ہیں لیکن مقامی مسائل کا ذکر نہیں کرتیں.....
ایک نوجوان بھیڑ میں گھستا ہے..... دیکھیں کیسی لگتی ہیں.....؟

”ووٹ دیں گے.....؟“

”ووٹ نہیں دیں گے.....؟“

”پھر کس کو دیں گے.....؟“

”آپ سے مطلب.....؟“

الیکشن کے دن ہیں.....! اچانک سبھی غریب ہو گئے ہیں اور راجہ سے لڑ رہے ہیں..... سبھی غریبی بٹائیں گے..... سبھی
سماجک نیائے دلائیں گے..... غریب کی بیٹی..... غریب کی بہن..... غریبوں کا مسیحا..... یہاں تک کہ اٹل جی کو کہنا
پڑا..... غریب تو میں ہوں..... معمولی ٹیچر کا بیٹا.....

غریب کی بیٹی الیکشن مہم پر نکلتی ہے تو ہیرے کے بندے نہیں پہنتی۔ وہ ہاتھ میں جھاڑواٹھاتی ہے اور سی ۹۰ طیارے
سے نیچے اترتی ہے۔ عورتیں اُسے حیرت سے دیکھتی ہیں۔ وہ انہیں پاس بلاتی ہے۔

”راشن کارڈ بن گیا.....؟“

”پنشن مل رہا ہے نہ.....؟“

غریب کی بیٹی فرقہ پرست طاقتوں کو بہاڑ کر پھینک دے گی اور پیادلی میں میں لائین باریں گے.....
ریٹائرڈ جج خوش ہوتا ہے۔ وہ نیا نیا پارٹی میں آیا ہے۔ غریب کی بیٹی کو راج مانتا کہتا ہے۔ مسیحا کو لفظ راج مانتا سے
چڑھ ہے۔ اس سے بورڈ وائٹ ٹپتی ہے..... جیسے راج مانتا گوالیار..... غریب کی بیٹی کہو..... غریب کی بیٹی لٹی کھاتی
ہے اور ستو پتی ہے۔

غریبوں کا مسیحا دھرتی کو بوسہ دیتا ہے۔ وہ زمین سے اُگا ہے۔ اصل وہ جو آگے سے بھینس کی سنگھ پکر کر چڑھ جائے
!.....

مسیحا کا غریب پر بہت قرض ہے۔ اس بار جیت گیا تو اتار دے گا۔ وہ یاد دلاتا ہے کہ کہاں کہاں سڑک بنی۔ کوئی
بھیڑ میں کہتا ہے

”سڑک کہاں بنی.....؟ سب الکتر اتو پی گئے.....؟“

مسیحا ان سنی کر دیتا ہے۔ اس کا ٹرک بھاشن شروع ہوتا ہے۔

”بھائیو! یہ ساجک نیائے کی بھومی ہے۔ جتنا دل کا چکا اڈوانی کے رتھ میں چلا گیا۔ یہ لوگ

فراڈ ہیں۔ منڈل کو میں کمندل گھسا دیا۔ یہاں فرقہ پرستی نہیں چلے گی۔ انہیں ہرگز ووٹ

مت دینا نہیں تو اتہاس معاف نہیں کرے گا۔“

غریب کی بیٹی لائین اٹھا کر دیکھاتی ہے..... تالیاں!

اچانک فضا میں نعرے گونجنے لگتے ہیں۔

”جیت گیا بھائی جیت گیا.....“

”غریبوں کا مسیحا جیت گیا.....“

دوسرے دن وہ بھی جاتے ہیں مسیحا سے ٹکر لینے..... مکمل ناتھ منڈل.....!

ہیلی کوپٹر سے اتر کر ادھر ادھر دیکھتے ہیں۔ چپسی وین کا استعمال نہیں کرتے۔ جلسہ گاہ تک پیدل جاتے ہیں۔ اقلیت
کے لوگوں سے آنکھ ملانے میں شرمارہے ہیں کہ بھاجپا سے تال میل صرف چناوی سمجھوتہ ہے۔ ان کی وچا ردھارا
الگ ہے۔ یہ جن آدیش ہے کہ ملی جلی سرکار بنے۔ وہ بار بار احساس دلاتے ہیں کہ ایک غریب راجہ سے لڑ رہا ہے۔
ان کی جیت غریبوں کی جیت ہے۔ میرے بھائی.....! ووٹ دینا..... غریبوں کا تھیا رووٹ ہے.....!

الکیشن کے دن ہیں..... غریب کی بہن.....!

بہن جی اقلیت کے علاقے میں شلوار چمپر بہن کر جاتی ہیں۔ ان کے کپڑے ہمیشہ بے داغ ہوتے ہیں۔ بہن جی
موٹے گلے کی ہیں۔ بھاشن کرتی ہیں تو گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ لاؤڈ سپیکر اکثر ان کی آواز نہیں جھیل پاتے۔

ان کا کارواں پہنچا بھی نہیں کہ رمنامیدان آدمیوں سے بھر گیا۔ بہن جی بیک وقت دو گاڑیوں سے چلتی ہیں۔ ایک خراب ہو گئی تو دوسری کام آسکے۔ دونوں گاڑیاں اے سی ہیں۔ دونوں طرف رضا کار ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ ان کی تصویر دیوی کی تصویر ہے۔ ان کے لئے اونچائی پر منج بنایا گیا ہے جو مقامی نیتاؤں کے منج سے ہٹ کر ہے۔ وہاں ایک میز پر نفرتی تاج رکھا ہے۔ تاج کو دیکھ کر بہن جی کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں لیکن وہ نگاہیں دوسری طرف پھیر لیتی ہیں اور مائیک پر گر جتی ہیں۔

”بابری مسجد شہید ہوئی تو ہم نے غم میں آپ کا ساتھ دیا۔ غریب اور دلت طبقے کو اوپر اٹھانے کے لئے ہم نے کئی کام کئے لیکن منو وادی طاقتیں ہمیشہ رکاوٹ بنتی رہیں۔ بی جے پی ہندو کرم کا نڈا لگو کر ناچا ہتی ہے۔ اس کا مطلب اندھ و شواس اور روڑھ واد کو مضبوط کرنا ہے۔ اس لئے بی جے پی شدر اور کچھڑی جاتی کو ایندھن کے روپ میں استعمال کرے گی۔ بھائیو! میں کہنا چاہتی ہوں کہ کانگریس بھی فاشٹ جماعت ہے۔ کانگریس بی جے پی سے زیادہ ہندو وادی ہے۔ آپریشن بلو اسٹار اور رام جنم بھومی شیلانیاس اس کی تازہ مثالیں ہیں“.....!

بی جے پی اور کانگریس کو جی بھر کر کوسنے کے بعد بہن جی بتلاتی ہیں کہ وہ دلت اور کچھڑے طبقے کے لئے کیا کیا کرنا چاہتی ہیں۔ پھر وہ ہاتھ جوڑ کر اپنے غریب بھائیوں سے اپیل کرتی ہیں۔

”بھائیو! اگر آپ ہمیں بھاری اکثریت سے جتا تے ہیں تو ہم اسٹیٹ میں ہی نہیں سینٹر میں بھی آپ کی سرکار بنائیں گے“.....“بھیٹر خوش ہو جاتی ہے اور تالیاں بجاتی ہے۔ بہن جی کو چاندی کا مکٹ پہنا کر ان کا راج ابھشیک کیا کیا جاتا اور فضا میں نعرے بلند ہوتے ہیں۔

”ووٹ ہمارا راج تمہارا“

نہیں چلے گا نہیں چلے گا.....“



الیکشن کے دن ہیں۔

کانگریس نے بی جے پی کا نعرہ اچک لیا۔ ”دلش کی مہان سنسکرتی.....“ بی جے پی زمانے کے تیور پہچانتی ہے۔ اس نے سماجک نیائے کا نعرہ اچک لیا اور اب رام کوروٹی سے جوڑتی ہے۔ ایمس کے سابق ڈاکٹر اب بی جے پی میں ہیں۔ مندر میں پوجا رچنا سے اپنی یا ترا شروع کرتے ہیں۔

مندر کی گھنٹیاں بج اٹھتی ہیں پوجا رچنا ہوتی ہے اور سنگھ ناد کے بیچ شری رام کا وجے گھوش ہوتا ہے۔ پاکستان

کو کرکٹ میچ میں شکست دینے کی خوشی میں میٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں اور قافلہ لچت پارک کی طرف بڑھتا ہے۔ ایک بلیٹ پروف گاڑی بھی ہے جس میں بی جے پی کے ایک بڑے نیتا بیٹھے ہیں۔ وہ بلیٹ پروف جیکٹ میں ہیں۔ ان کی بلیٹ پروف گاڑی ریموٹ کنٹرول سے محفوظ ہے۔ لچت پارک لوگوں سے کچا کچھ بھرا ہے۔ کچھ لوگ پیڑ پر چڑھ گئے ہیں..... پہلے چھوٹے نیتا کا بھاشن ہوتا ہے۔

”مسلم الگاؤ وادی ہوتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کو کافر سمجھتے ہیں۔ مسلم سماج کی ایک ماتر چنتا اپنی الگ پہچان کی رکچھا کرنا ہے۔ یہ پر یوار نیوجن نہیں کراتے اور اس طرح اپنی سنگھیا بڑھاتے ہیں انہیں بندے ماترم شبد سے گھرنا ہے آتھک واد پر وشواس کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ آتھک واد بڑھ رہا ہے۔ اس لئے بندھو! گرو سے کہو ہم ہندو ہیں ایک جٹ ہو جاؤ اور اپنی سرکار بناؤ.....“

آخر میں بڑے نیتا کا بھاشن ہوتا ہے۔

”ہم نے ہر آنکھ سے آنسو پوچھنے کی قسم کھائی ہے۔ ہم ہر دیش واسی کے چہرے پر مسکان لانے کی قسم کھاتے ہیں۔ بھارت سے پریم کیجئے۔ اس کے بھید اتیت سے اور سکھد ورتمان سے پریم کیجئے۔ اس کی پراچین و تبھو کی رکچھا کیجئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ ایک جت ہو جائیں۔ ہمیں ووٹ دے کر ہمارے ہاتھ مضبوط کیجئے.....“

جمہوری نظام کی خصوصیت ہے کہ جب انتخابی مہم آہستہ آہستہ عروج پر پہنچتی ہے تو فرقہ پرستی کا رنگ غالب ہونے لگتا ہے۔ بھیڑ میں ایک نوجوان بابر می مسجد کا حوالہ دیتے ہوئے اچانک نعرہ بلند کرتا ہے۔

”یہ فقط جھانکی ہے

متھرا کا شکی باقی ہے



الیکشن کے دن ہیں۔

مایا سانی آزاد امیدوار کی حیثیت سے پابہ رکاب ہیں۔ بی جے پی کی کبھی فائر برانڈ لیڈر اب خود منواد یوں کے خلاف شمشیر زن ہے۔ لوگ رمناروڈ کے کنارے ایک خالی میدان میں جمع ہو رہے ہیں۔ عموماً یہاں آوارہ کتے گھومتے ہیں۔ مل متراور سپینے کی تیکھی بو سے میدان کا یہ حصہ رچا بسا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت تاریخی ہے۔ یہاں

امید کر اور ہو ہیانے بھی عوام سے خطاب کیا ہے۔ اس علاقے میں ستر فی صدی آبادی بیک ورڈ کی ہے۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ وہ ابھی تک نہیں آئیں۔ لوگوں کی بے چینی بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کو تجسس ہے کہ مایا کی شعلہ بیانی کہیں شبنم فشانی میں تو نہیں بدل گئی.....؟ آخر کار وہ آگئیں..... تڑک بھڑک کے ساتھ..... ریشمی ساڑی میں ملبوس..... کان میں ہیرے کے بندے..... ہاتھ میں سونے کی چوڑیاں..... بھیڑ میں کوئی ٹوکتا ہے..... لباس تو مہارانیوں جیسا پہنا ہے.....؟ وہ پلٹ کر جواب دے دیتی ہیں کہ یہ منواسمرتی سوچ ہے۔ دلت کی بیٹی بھڑکیلے لباس کیوں نہیں پہن سکتی.....؟ وہ اپنے ووٹر کو سمجھانا چاہتی ہیں کہ گلیمر صرف الٹ کلاس کی چیز نہیں ہے۔ گلیمر پر دلتوں کا بھی حق ہے..... صارفی کلچر کے اس عہد میں گلیمر ایک رن نیتی ہے..... آج تڑک بھڑک سے کام لینا ہوگا..... دلت طبقہ کو معیار حسن بدلنا ہوگا.....!

”بھائیو! میں بڑی بڑی باتیں کرنے نہیں آئی۔ میں یہ دعویٰ کرنے بھی نہیں آئی کہ جیت گئی تو غریب ہٹاؤں گی۔ یہ سب کھوکھلے نعرے ہیں۔ چناؤ میں اب مڈا کچھ نہیں رہا..... نہ بھرشنا چار نہ فرقہ پرستی نہ دلش کا دکاس..... اصل مسئلہ ہے فاشزم کا بڑھتا ہوا جال جس میں سماج بھی چھٹپٹا رہا ہے اور راج نیتی بھی..... آج اتہاس کی چھاتی پر فاشٹ قوتوں نے اپنے پنچے گاڑ دیئے ہیں۔ روڈھ وادی سنسکاروں میں جکڑ کر ہمارا پھر سے شوشن ہو رہا ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بھائیو! بھارت میں دو ہی ورگ ہے۔ ایک منو وادی اور دوسرا دلت کچھڑا طبقہ اور اقلیت دلت ورگ میں آتے ہیں۔ دلت کی لڑائی کچھڑے طبقے اور اقلیت ورگ سے نہیں ہے۔ اس بات کو سمجھ لینا چاہیئے۔ شوشن تو منو وادیوں نے کیا۔ دھرم کو اوزار بنا کر۔ ہم پر اپنی برتری سدھ کی۔ ہمارا مانسک شاریرک اور ادھیاتمک شوشن کیا۔ دلت بھائیو! بی جے پی جس ہندو سماج کی بات کرتی ہے اس میں دلت کا کوئی استھان نہیں ہے۔ شدرمندروں میں آج بھی نہیں جاسکتا۔ اس بات کو یاد رکھیں کہ ہندو سماج میں دلتوں کو سامان ادھیکار کبھی نہیں ملے گا۔ اس لئے بھائیو! ہمیں ایک ہونا چاہیئے اور اپنے فیصلے خود کرنے چاہیئے..... آپ ہمیں ووٹ دیجئے ہم آپ کے ادھیکاروں کے لئے سنگھرش کریں گے..... یاد رکھیئے۔ دلت کی لڑائی مسلمانوں سے نہیں ہے۔ دلت کی لڑائی منو وادیوں سے ہے۔ منو واد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا.....“

جمع میں کوئی زور سے چلایا

”بی بی جے پی سے بھاگ کر آئی ہے.....“

”میں بی بی جے پی سے بھاگ کر نہیں آئی۔ بی بی جے پی نے میرا پھرن کر لیا تھا۔ میں اپنے گھر

لوٹ آئی ہوں۔“ تالیوں کی گر گرٹا ہٹ.....

”زندہ باد زندہ باد..... دلت کی بیٹی زندہ باد.....“

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے۔ مایا سہنی کی چیخ سنائی دیتی ہے۔ اسٹیج پر دھواں پھیل جاتا ہے۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ سیاہ رنگ کی ماروتی کار میں کچھ ہتھیار بندو جوان..... یہ جا..... وہ جا..... اسپتال تک جاتے جاتے مایا سہنی دنیائے فانی سے کوچ کر جاتی ہے۔

”ایک ردانہ ب کے سر پر اب بھی تھی سرسبز

وہ بھی رنگ نہ غیر کو بھایا چھین کے کر دیا لال“



انکیشن کے دن ہیں.....!

ایک ارب آبادی والے نظام جمہوریہ کا بلند و بالا مینار شروانی کی آنکھوں میں محبوب کے آنچل کی طرح لہرا رہا ہے

.....

شرانی راہ محبوب میں سونے کی اینٹیں بچھائیں گے۔

شرانی کے پاس سونے کی تین کانیں ہیں۔

چاپانلوں کی مرمتی میں رمیش یادو کا ال بائی تھری کا مشورہ۔

ڈی ایم کے دستخط سے ایک ہزار افراد کے گھروں کی فہرست جہاں سلمہ شو چالیہ کا زمان ہونا ہے۔

ریلوے گودام سے پانچ ہزار میٹر پائپ کا شارٹ سرٹیفکیٹ۔

شرانی ایک ایک کر کے اپنی منظوری کی مہر لگاتے ہیں.....!

اعلیٰ کمان کو تیس لاکھ کی رقم بہ طور نذرانہ.....!

اعلیٰ کمان کا دل باغ باغ ہے۔ شروانی میں انہیں ایک بڑے لیڈر کی تمام خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اگلے ماہ وہ اپنے

عہدے سے استعفیٰ دیں گے اور اعلیٰ کمان انہیں کاؤنسل کے لئے نامزد کریں گے۔

ڈھان چو مسکراتا ہے..... شروانی اس سے آنکھیں ملانے میں کتراتے ہیں..... ڈھان چو ایک نظم سناتا ہے۔

تم نہیں مار سکتے کرگس

تم ہاں سکتے ہو بھڑیا
جنگلی سور

یہاں تک کہ شیر بھی
نہیں مرے گا کرگس

مرتی ہیں

فاختائیں

ابابلیس

اور گنبدوں میں غمغموں کرتے کبوتر

کرگس شاہی قلعہ کی اونچائی پر بیٹھتا ہے۔

ڈھان چوک اُداسی رہ رہ کر بڑھ رہی ہے۔ وہ گئی رات تک چہل قدمی کرتا ہے۔ کبھی کبھی زور سے بڑبڑاتا ہے۔

”اے جمہوریت کی پری!

چکی لے اور آٹا پیس

تو خاک پر بے تخت بیٹھ!

اب تو نرم انداز اور نازنین نہ کہلائے گی۔

اپنا نقاب اتار اور دامن سمیٹ لے۔ ٹانگیں نکلی کر کے ندیوں کو عبور کر

تیرا بدن ننگا کیا جائے گا بلکہ تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا۔“

☆ ☆ ☆

سولہ مارچ.....!

طوفان گذر گیا لیکن گردا بھی تھمی نہیں ہے۔

سی ایم کمپاؤنڈ کے آؤٹر ہاؤس میں چہل پہل ہے.....؟ سی ایم کچھ کچھ تھکے نظر آ رہے ہیں بحث جاری ہے کہ کس

پارٹی کو کتنی سیٹ ملے گی..... کم سے کم ڈیڑھ سو سیٹ تو آئے گی..... سرکار بن تو جائے گی..... کانگریس سے سندھی

کرنا پڑ سکتا ہے..... پاسان نے غضب کا دھوکا دیا..... ساری زندگی تو براہمن کو گالی دیتے رہے اور اب اس کا پکڑ

کر جھول رہے ہو..... پاورلسٹ ہے..... سب کو پاورلسٹ.....

کیندر میں پھر ملی جلی سرکار بنے گی..... بھاجپا کو چالیس سیٹ بھی نہیں ملے گی..... فائدہ سمٹا کو ہو گیا..... کرمی کا کبھی

یادو سے الائنس ہوا ہے.....؟ واہ رے جتنا دل.....؟ دھڑٹو ٹاٹو ترشول میں اٹکا..... مکیش درپن حسن گنج میں پھر

نکال لے گا..... سالہا سالہا..... چھیتڑ میں میاں کو بھی ملا کر رکھے ہوئے ہے۔ لالت جی کا بیٹا بار جائے گا.....
 بھاجپا میں گیا تھا۔ براہمن جو ہے..... دادا بھی آؤٹ ہو گئے..... سسھی دج دھرا شائی ہو رہے ہیں۔ وکاس اب مدا
 نہیں ہے۔ وکاس سے ووٹ نہیں ملتا..... وجئے کرشن جی..... آپ تو نکال لیا..... آپ کے ایریا میں خوب گردہ کھایا
 ۔ وہاں کے نوجوان اسپورٹس مین کی طرح ہیں..... ہماری حالت بد سے بدتر ہوگی تو ایک سو چالیس سیٹ آئے گی۔
 اس سے کم نہیں..... بے ایمان لوگوں نے کتر کر پچاس کر دیا..... یہ ایکڑٹ پول کیا ہوتا ہے جی.....؟ سب بھاجپا
 کی چال ہے..... میڈیا کو خرید لیا ہے..... کران تیل کا دام بڑھا دیا..... پیاز کا دام بڑھا تو دلی میں منھ کے بل
 گرے..... اب کے دھوتی کھل جائے گی..... عام آدمی کے آئیٹم پر بھاجپا وار کرتی ہے..... سمانتی پارٹی ہے.....
 جتنا بوجھتی نہیں ہے..... ہندو تو..... ہندو سماج..... مہان سنسکرتی..... اسی لئے مانکل جیکسن کی آر تی اتار تے ہو اور فتح
 علی خان کو مار بھگاتے ہو..... اصل راڑ ہے یہ لوگ..... کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا..... ایرپورٹ کو چولہے میں
 ڈال دیا..... جب چاہتا ہے کرکٹ میدان میں کدال چلا دیتا ہے۔ یہ ہے فاشزم کا اصل چہرہ..... مہاماری کی طرح
 پھیل رہی ہے فاشزم..... جتنا نہیں سمجھے گی تو پورے دلش میں ان کا راج ہوگا..... سالہا سب کہتا ہے ہمارا اسٹیٹ
 پیچھے چلا گیا.....! دلی میں بیٹھے ہو تو آگے کر دو..... میں نے اکیلے دو سو پچاس چھیتڑوں میں پرچار کیا۔ بڑی بھیڑ
 جلتی تھی..... باپ رے باپ..... کھانا نہیں..... پینا نہیں..... سونا نہیں..... ایک فوٹو گرافر بھیڑ دیکھ کر اچپکا گیا.....
 پریس والے کو نہیں لے گئے اس بار.....؟ بڑے بڑے جھولے والے کو کون لے جائے..... فوٹو لیا..... کودا
 بھاگا..... لگتا ہے فوٹو پریس میں کہیں دب گیا..... بھاجپا والے نے میڈیا کو خرید لیا ہے.....
 دھن کا حال ٹھیک ہے..... غریب کا ووٹ ملا ہے..... ایک میاں جی بھی بی جے پی میں ہے.....
 ہو..... ہو..... ہو..... کہہ دیا کہ تبلیغی جماعت آراس اس کی طرح ہے..... بتاؤ.....! بھاجپا اس کو ہتھیار بنا رہا
 ہے..... دے دے گا پوسٹ اور میاں کی چھاتی پر میاں سے ہی مونگ دلوائے گا۔ جو ووٹ کرا لیا وہی جیتا.....
 دھن کے راجپوت ساتھ ہیں..... وجئے کرشن جی کو تو ان لوگوں نے ڈکیر کر دیا.....
 بنیاجات بھاجپا کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اصل میں پونجی پتی بھاجپا کے ساتھ ہے۔ اس لئے بنیا بھی اسی خیمے میں ہے۔
 بھاجپا اگر پاور میں آگئی تو کنسٹی ٹیوشن میں ہیر پھیر کرے گی.....
 بی بی سی کا نمائندہ انٹرویو کے لئے پہنچ جاتا ہے..... اعلیٰ کمان اٹھ کر بیٹھک میں آ جاتے ہیں اور نمائندے کو وہیں
 طلب کرتے ہیں۔

﴿ ۸ ﴾

چناؤ کے نتائج آ گئے.....

وہی ملی جلی سرکار..... اور بی جے پی سب سے بڑی پارٹی کے روپ میں سُرخ رو ہوئی ہے..... علاقائی پارٹیاں گٹھ بندھن میں ہیں۔ کانگریس کا رول حزب مخالف کا ہے۔ اسٹیٹ میں مسیحا کی پھر حکومت ہو گئی لیکن کانگریس کے ساتھ تال میل کرنا پڑا۔ مکمل ناتھ منڈل چناؤ ہار چکا ہے۔ کمد چگانی جیت گئی ہیں۔ مکملیش درپن نے بھی اپنی سیٹ بچالی ہے اور چمن لال چنچل نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔
 فہیم الدین شروانی کاؤنسل کے ممبر نامزد ہوئے..... ان کا اچانک استقفلے دینا اور ایم ال سی ہو جانا سب کو حیرت میں ڈال گیا ہے۔

اپنے ایم ال سی فلیٹ میں آ کر شروانی کچھ اُداس ہیں..... اُنہیں لگتا ہے جیسے وہ ایسے مکان میں قید ہیں جس کی کھڑکیاں صرف موسم خزاں میں کھلتی ہیں۔ یہاں آ کر جسیم الدین کی آنکھوں میں برف کی گٹھلی کی طرح برسوں سے منجمد خوف کچھ اور گہرا گیا ہے..... کہیں ایسا تو نہیں کہ زرینہ کو یہاں بلائے گا.....؟ وہ پُرتلجنا نہ نگاہوں سے شروانی کی طرف دیکھتے ہیں..... اور شروانی کو اسی بات سے چڑھ ہے..... کیسی زرینہ.....؟ زرینہ تو مدّتوں پہلے انا کی سولی پر ٹنگ گئی.....! آدھی رات کو فلیٹ کے تاریک گوشے سے کسی کے رونے کی آواز ابھرتی ہے..... شروانی اسے ان سنی کر دیتے ہیں.....!

شروانی اپنی نئی زندگی میں بہت شاداب نظر نہیں آتے گرچہ اعلیٰ کمان نے اُنہیں دھیان آ کر شن سمیتی کا چیرمین بھی بنا دیا ہے۔ پھر بھی ایک اُداسی سی مسلط ہے۔ وہ ڈھان چو سے بھی آنکھیں ملانے میں کتراتے ہیں..... اُنہیں لگتا ہے وہ کرگس ہیں..... شاہی قلعے کی اونچائی پر بیٹھے ہوئے.....! کیسے ہتھکنڈے استعمال کئے ایم ال سی ہونے کے لئے.....؟ تمیں لاکھ کی رقم ٹن ٹن سڑپ ہو گئی..... یہ رقم تو ان کے لئے ہی تھی جو غریبی ریکھا سے نیچے ہیں.....!

مایا سہنی کا قتل بھی ان کی اُداسی کا ایک سبب ہے۔ اس واقعہ نے ان کی سوچ پر اثر ڈالا ہے..... ڈھان چوکھتا ہے سسٹم میں شامل ہو گئے تو بیچ جاؤ گے، سسٹم کی مخالفت کرو گے تو مارے جاؤ گے..... اور یہ کیسا سسٹم ہے کہ تم بوتے ہو پھول اور اُگتی ہے تلوار.....؟

مایا کے بعد کوئی سیاسی ہستی ایسی نہیں ہے جس سے شروانی قربت محسوس کرتے ہوں۔ کمڈ چگانی سے شناسائی ہے لیکن وہ بی جے پی کی ہو گئیں..... کیندر میں سرکار مزے میں چل رہی ہے۔ بی جے پی جو بل چاہتی ہے پاس کروا لیتی ہے۔ علاقائی پارٹیاں ذاتی مفاد کے لئے مخالفت نہیں کر پاتی ہیں۔ سبھی کے نمائندے وزارت میں ہیں۔ کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتا کہ گُرسی سے دستبردار ہونا پڑے۔ بی جے پی کی سرکار میں نئے نئے گھونٹالے سامنے آرہے ہیں..... لیکن یہ گھونٹالے اب چونکا تے نہیں ہیں۔

چونکانے والی خبر یہ ہے کہ مسز چگانی بی جے پی میں ہٹ ہو گئیں..... یعنی گٹھ بندھن سرکار میں پیرو لیمنسٹر کے عہدے پر فائز ہوئیں.....!

شروانی کو حیرت ہوئی۔ اُنہوں نے مسز چگانی کی صلاحیتوں کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا ہے۔

شروانی کو جب سرکار کی جانب سے اطلاع نامہ موصول ہوا کہ وہ ڈیپلر سلیکشن بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے ہیں تو ان کو لگا کوئی برف میں ڈوبی انگلیوں سے اُنہیں مسلسل چھو رہا ہے..... ان کو حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ مسز چگانی ان کو بھولی نہیں تھیں اور یہ کہ اب وہ ایک ایک ہی برادری کے ہیں..... ”اقتدار کے آنگن میں ٹھٹھولیا کرتی ہوئی سیاسی برادری.....“ ان کو یاد آیا کہ مسز چگانی کے ہونٹ جامنی ہیں اور ایک بار اُنہیں چھو کر محسوس کرنے کی شدید خواہش سے وہ گزرے تھے..... شروانی مسکرائے..... اب رسائی زیادہ آسان ہوگی..... ایک ہی برادری جو ٹھہری.....!

شروانی نے اُنہیں مبارک باد کا فیکس کیا اور دوسرے دن خود تشریف لے گئے۔

مسز چگانی اُن کو دیکھ کر کھل گئیں..... وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھیں۔ بار بار گردن جھکا کر سینے کی طرف دیکھتیں اور پلو سنبھالتیں..... شروانی کو ان کی یہ حرکت عجیب سی لگی..... لیکن ایک بات اُنہوں نے محسوس کی کہ مسز چگانی کی چھاتیوں میں غیر معمولی ابھار ہے۔ پھر بھی وہ کوئی کشش محسوس نہیں کر رہے تھے بلکہ یہ ابھار بھدے معلوم ہوئے..... وہ ان کو بیڈروم میں لے گئیں..... شروانی دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئے..... مسز چگانی کی چال میں کوئی فرق نہیں آتا تھا..... کولہوں میں وہی مترنم سی تھرکن تھی۔ کمرے میں آ کر مسز چگانی نے شروانی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بے حد اپنائیت سے بولیں۔

”شروانی ایک مصیبت میں گرفتار ہوں.....!“

شروانی کو یہ انداز اچھا لگا۔ انہوں نے پوچھا۔

”کیسی مصیبت.....؟“

”اب کیا بتاؤں۔ تم سنو گے تو ہنسو گے.....“

”پھر بھی.....!“

”تمہیں میری چھاتیاں اپنا رمل معلوم ہو رہی ہیں.....؟“

شروانی کو یہ سوال بے تکا معلوم ہوا پھر بھی انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ان میں پٹرول اتر آیا ہے.....!“

”کیا.....؟“ شروانی چونکے۔

”جب سے میں پٹرولیم منسٹری ہوں میری چھاتیوں میں پٹرول اتر آیا ہے.....“

”کمال ہے.....!“

”دیکھو!“ مسز چگانی نے بلوز کے بٹن کھولے۔ چھاتیاں ربر کے پھولے ہوئے تھیلے کی طرح لگ رہی تھیں۔

”دبا کر دیکھو.....!“ مسز چگانی نے شروانی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی چھاتی پر رکھ لیا۔ شروانی نے

دبایا تو پٹرول کی دھار پھوٹ کر شروانی کے چہرے پر پڑی۔ شروانی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے

..... مسز چگانی ہنسنے لگیں.....!

”اب بتاؤ کیا کریں.....؟“

”عیش کرو.....!“ شروانی ہنسنے ہوئے بولے۔

”تمہیں مذاق سوچا ہے.....“

”پٹرول کی ضرورت آراس اس کو ہے..... ترشول کے ساتھ پٹرول کے کنستربھی تقسیم ہوں

گے.....؟ شروانی مسکرائے۔

مسز چگانی کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔ انہوں نے سختی سے اپنے ہونٹ بھنجے..... چھاتیاں سہلائیں..... پٹرول کے

قطرے ہاتھوں پر ٹپک پڑے..... ”جی چاہتا ہے آگ لگا دوں.....“ مسز چگانی دور خلا میں تکتی ہوئی بولیں۔

شروانی نے انہیں چونک کر دیکھا..... وہ اس وقت کسی اور دنیا میں نظر آ رہی تھیں۔

”کہاں کہاں آگ لگاؤ گی.....؟“ شروانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

جہاں جہاں تم نظر آؤ گے.....!! مسز چگانی بھی مسکرائیں۔

پھر اچانک ان کے چہرے پر نرمی آگئی..... مسکرا کر شروانی کی طرف دیکھا۔

”آؤ تمہیں ایک چیز دکھاؤں.....؟“ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بالکنی میں لے گئیں۔
”وہ دیکھو.....!“ مسز چگانی نے سامنے سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں لوگوں کی لمبی قطار
تھی.....

”یہ میرے عزیز واقارب ہیں..... انہیں پٹرول پمپ کا کوٹہ چاہئے..... اور ال پی جی کا
لائسنس.....“

”یہ دھاندلی ہے کہ تم سارا کوٹہ اپنے لوگوں کو دو“ شروانی نے اعتراض کیا۔
”کانگریس نے کیا کیا.....؟“

”بی جے پی ہمیشہ کانگریس کی مثال کیوں دیتی ہے.....؟“
”مقابل اور کون ہے“ مسز چگانی مسکرائیں۔
”تم پھنس جاؤ گی.....!“

”سپریم کورٹ سے بری ہو جاؤں گی!“
”ستیش شرما نے بہ طور جرمانہ میں لاکھ کی رقم بھری تھی.....“
”میں بھی بھروں گی.....“

”تمہارا کوٹہ رڈ ہوگا“
”کیوں.....؟“

”چھبیلی باریبی ہوا تھا۔ اس وقت بی جے پی کا ہی کوئی لیڈر پیٹرولیم منسٹر تھا۔ اس نے پونے
چار ہزار پٹرول پمپ اپنے رشتہ داروں میں بندر بانٹ کر دیا۔ بہت بدنامی ہوئی تو پی ایم کو
مجبوراً کوٹہ رڈ کرنا پڑا۔“

”وہ میں بھی کروں گی۔ یہ ایک طرح کا سماجک نیائے ہے جو ہم اپنی کمیونیٹی میں کرتے
ہیں۔“

شروانی مسکرا کر رہ گئے۔ مسز چگانی اچانک اُداس ہو گئیں اور دورِ غلا میں کہیں تنکنے لگیں۔ شروانی بھی خاموش ہو
گئے۔ کچھ دیر بعد مسز چگانی نے پوچھا۔

”تم خوش ہو شروانی.....؟“
”کیوں؟“

”بی جے پی کے دور میں سب سے زیادہ گھوٹالے ہوئے۔“
”کیا فرق پڑتا ہے؟“

”گھوٹالا اب مدائیں نہیں ہے..... کرپشن از نو مورالیشوان انڈین پالیٹکس.....“

”ہم سب مہماری کے شکار ہیں.....!“

مہماری.....؟ بی جے پی کی چھاتیوں میں دودھ کی جگہ پٹرول ہے..... تاریخ کے سینے میں فاشزم کے پنجے پیوست ہیں۔ نصابی کتابوں سے لے کر کلیسا کی دیواروں تک فاشزم اپنا وجود درج کر رہی ہے۔ ماحول میں ایک طرح کا تناؤ سا پیدا ہو گیا..... شروانی گھٹن سی محسوس کرنے لگے.....!

”مہماری کرگل کی پہاڑیوں پر بھی پھیلی..... میں وہاں گئی تھی۔“

شروانی نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

”وہاں کفن چور دیکھے.....“

”وہاں سے ایک چیز لائی۔“

”آؤ دکھاتی ہوں۔“ شروانی کا ہاتھ پکڑ کر وہ گیسٹ روم میں لے گئیں۔ وہاں فرش پر

ایک تابوت رکھا تھا۔

”یہ پانچ سو کا ہے لیکن تیرہ سو میں سودا ہوا۔“

”کیوں.....؟“

”مجھے بتایا گیا کہ المونیم کا ہے اور اس میں چاندی کے پتر لگے ہیں.....“

مسز چگانی تابوت میں لیٹ گئیں۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور آنکھیں بند کر لیں.....

شروانی کو خوف سا محسوس ہوا۔

چگانی جی! اٹھئے۔ اب مجھے اجازت دیجئے.....“

”اجازت.....!“ مسز چگانی کا لہجہ بدل گیا۔

”آپ جانا چاہتے ہیں اور میں یہاں تابوت میں لیٹی ہوں..... یہ عجب چیز ہے۔ یہاں

فوجی کی چیخیں سنائی نہیں دیتیں۔ نہ ہی کسی کی لاش نظر آتی ہے..... یہاں صرف منافع دکھائی

دیتا ہے..... فی لاش آٹھ سو کا منافع..... ہا ہا ہا..... کرگل کے شہید جوانو! تمہاری لاش کا

سودا ہوا ہے..... تم جتنی تعداد میں مرو گے اتنا ہی منافع ہوگا..... ہا..... ہا..... ہا.....

پھر مسز چگانی کا جسم زور زور سے ہلنے لگا اور منہ سے بے ربط الفاظ نکلنے لگے۔

کرگل گھوٹالا..... شیر بازار گھوٹالا..... یوٹی آئی گھوٹالا..... یوریا گھوٹالا..... لیٹر آف

کرڈیٹ گھوٹالا..... کوآپریٹو بینک گھوٹالا..... تھلکا کانڈ..... گورنمنٹ دواے ڈفرنس

.....ڈفرنس.....ڈفرنس.....

شروانی پر تھری طاری ہو گئی..... وہاں سے کھسک جانے میں عافیت سمجھی۔ مسز چگانی کو ان کے حال پر چھوڑ کر شروانی

کمرے سے باہر نکل گئے.....!!!

ڈھان چوایم ال سی فلیٹ میں خوش ہے۔ گھر سے باہر اس کی مٹرکشتی بڑھ گئی ہے۔ شروع شروع میں جب آیا تھا تو راجدھانی کی سڑکوں کی خاک چھانتا تھا۔ اب اس نے گاندھی میدان میں اڈہ جمایا ہے۔ گاندھی جی کی مورتی کے پاس گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے۔ یہاں آکر اس کو وہ ساری کہانیاں یاد آنے لگی ہیں جو اس نے بچپن میں سنی تھیں..... اور وہ پری جس کی بیڑیاں سب نے مل کر کاٹیں..... ریشمی لباس سے ملبس کیا اور سر پر تاج رکھا..... لیکن ڈھان چو کبھی کبھی زار زار روتا ہے کہ وہ ملعون ہوئی..... اس نے بازو میں اپنے لئے گنبد بنایا۔

ایک بار گاندھی جی کی مورتی کے قریب مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اس نے ایک طویل نظم سنائی۔

ماں بچپن میں سناتی تھی کہانی

کہانی میں

پری ہوتی

دیو ہوتا

اور ہوتے شہزادے

پری دیو کی قید میں ہوتی

اور میں پوچھتا

ماں! کیوں ہوتا ہے تمہاری ہر کہانی میں ایک دیو؟

ماں ہنستی تھی اور کہتی تھی

جہاں پری ہوگی وہاں دیو ہوگا

اور ایک شہزادہ بھی

ماں شہزادے کو نجات دہندہ بتلاتی تھی

مجھے یاد ہے

میں خوف سے آنکھیں بند کر لیتا

ایسا تو نہیں دیو ڈھونڈ لے گا شہزادے کو

ماں سناتی ہے اب میرے بچوں کو کہانی

کہانی میں پری ہوتی ہے

دیو ہوتے ہیں

نہیں ہوتے شہزادے

کہاں گئے شہزادے

آہستہ آہستہ ڈھان چو کا ایک حلقہ بننے لگا ہے۔ کچھ لوگ اس کو سننے کے لئے گاندھی میدان آتے ہیں۔

ایک بار بھرے مجمع میں گاندھی جی کی مورتی کے سامنے ڈھان چو زور سے چلایا.....

”سا برمتی کا پانی لال ہوا.....“

گاندھی! تیرا ایک قتل اور ہوا.....!“

دوسرے دن گودھرا کا واقعہ پیش آیا۔ گجرات کی سرزمین لال ہوئی

کچھ ہی دن بعد ڈھان چوانٹرل سکیورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوا.....!

ڈھان چو کی گرفتاری سے شروانی جیسے میں آگئے..... شروانی انسپکٹر سے ملے۔ اس نے کہا کہ ڈھان چو کو قبل از

وقت پتہ تھا کہ گجرات میں کیا ہونے والا ہے.....؟ اس نے کیسے سمجھا کہ سا برمتی کا پانی لال ہوگا.....؟

اور وہ کس شہزادے کی بات کرتا ہے.....؟ آنتک وادی.....؟ وہ آنتک وادیوں کے آنے کا انتظار کر رہا ہے۔

شروانی کو یقین ہو گیا کہ ڈھان چو آسانی سے چھوٹنے والا نہیں ہے۔ دس منٹ کے لئے اس سے بات کرنے کی

اجازت ان کو مل گئی۔ ڈھان چو کو دیکھتے ہی شروانی کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں لیکن اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔

شروانی کو دیکھ کر وہ آہستہ سے مسکرایا۔

”بھیا..... بھیا..... اکیسے ہو.....!“

”کیا ضرورت تھی گاندھی میدان میں دھونی جمانے کی.....؟“

”ہم تو پھول بوئے بھیا.....! اور آگ آئی تلوار.....؟“

”ضمانت کی کوشش کر رہا ہوں.....!“

ڈھان چو نے سر ہلایا ”کچھ نہیں ہوگا۔“

”پھر کیا کروں.....؟“

”سوال اب سیکولر اور غیر سیکولر طاقتوں کا نہیں ہے۔ اب مقابلہ فاشٹ قوتوں کے درمیان

ہے۔ مہاماری پھیل رہی ہے..... تم اسے روک نہیں سکتے۔“

”اس بار ملی جلی سرکار ہے لیکن جس طرح فاشٹ قوتیں بڑھ رہی ہیں تو اگلے الیکشن میں بی

جے پی پوری بہومت میں ہوگی..... اور تب.....؟“

”تب بی جے پی آئین بدلنے کی کوشش کرے گی اور ملک میں خانہ جنگی کا دور ہوگا.....“

ڈھان چو خاموش ہو گیا اور دور خلا میں تنکے لگا۔

”ہم حالات کا مقابلہ جمہوری طریق کار ہی سے کر سکتے ہیں۔ ہمیں نئے سیاسی سہی کرن

ڈھونڈنے ہوں گے..... مسلم دلت سہی کرن..... جس میں کچھڑی جاتیاں بھی شامل ہوں اور

وہ تمام لوگ جو معاشی سماجی سطح پر پسماندہ ہیں.....! کچھڑی جاتی میں تین جاتیاں ایسی ہیں

جو فاروڈ سے اپنا تشخص قائم کرتی ہیں..... یادو..... کرمی..... اور بنیا۔ ان میں گھ

بندھن نہیں ہو سکتا۔ بنیا اس لئے بی جے پی میں ہے کہ برنس کلاس ہے اور خود کو فاروڈ سمجھتی

ہے..... اس کا تو کسی سے گھٹ بندھن نہیں ہو سکتا.....

ڈھان چو خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ اچانک سفید ہو گیا۔ اس نے ویران نگاہوں سے شروانی کی طرف دیکھا اور اس کو جانے کا اشارہ کیا۔ وقت ہو گیا تھا۔ شروانی دل پر بوجھ لئے گھر لوٹ آئے.....!

شروانی کے جانے کے بعد سی بی آئی کا ڈی اس پی وہاں پہنچا۔ ڈھان چو اس وقت جھوم جھوم کر مولا ناروم کی مشنوی پر رہا تھا۔ ڈی اس پی اس کو خوشنگیں نگاہوں سے گھورنے لگا۔ ڈھان چو نے ناپسندیدہ نظروں سے ڈی اس پی کی طرف دیکھا۔ ڈی اس پی نے محسوس کیا کہ ڈھان چو کی نظریں جیسے چھ رہی ہیں۔

”کیا پڑھ رہے تھے.....؟“ ڈی اس پی کا لہجہ کچھ ترش تھا۔

”کچھ نہیں.....؟“ ڈھان چو بھی ناگوار لہجے میں بولا۔

”کہاں تک پڑھائی کی.....؟“

”میٹرک.....!“

”کس کے لئے کام کرتے ہو.....؟“

”کسی کے لئے نہیں.....!“

”گودھرا کی یو جنا کب بنی؟“

جواب میں ڈھان چو نے گھور کر دیکھا۔ ڈی اس پی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

”اور کون کون ہیں تمہارے ساتھ؟“

”کوئی نہیں!“

”تم جانتے تھے کہ گودھرا میں کیا ہونے والا ہے؟“

ڈھان چو خاموش رہا۔

”تم لوگوں کا بہت بڑا انٹ ورک ہے۔“

ڈھان چو خاموش رہا۔

”اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتاؤ.....!“

”کون سا رنگ پسند ہے.....؟“

”رنگ.....؟“

”ہاں!“

ڈھان چو سوچنے لگا۔

”گلابی..... پنڈت نہرو گلاب کا پھول پسند کرتے تھے۔“

”یہ تو نہرو جی کی پسند ہوئی.....!“

”مجھے بھی گلابی رنگ پسند ہے۔“

”کوئی اور رنگ.....؟“

”پیلا رنگ بھی اچھا ہے۔“

”اور.....؟“

”ہر رنگ بھی پسند ہے.....!“

”ہر رنگ.....؟ سالا پاکستانی ایجنٹ.....؟ ہر رنگ پسند کرتا ہے..... بہن چود.....!“ ڈی

اس پی نے ڈھان چو کے پیٹ پر کس کر ایک لات جمایا..... دھاپ! اور پھر لاتوں اور

گالیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ سالا..... دھاپ..... دھاپ..... پاکستانی ٹیرسٹ.....

دھاپ..... دھاپ آتک پھیلانے گا..... سالا..... پارلیا منٹ پر حملہ..... لال قلعہ پر

جھنڈا..... دھاپ..... دھاپ..... دھاپ ہر رنگ بہن چود..... آتک وادی.....

گھونسوں اور لاتوں کی مسلسل بارش.....!!

صبح تک ڈھان چو نے دم توڑ دیا.....



فاشٹ قوتوں سے لمبی لڑائی کی شروعات ہو چکی ہے.....
شروانی کے پاس ایک مشن ہے۔ غیر فاشٹ عناصر کی پہچان..... انہیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا..... شروانی نے
سیکولر دوستوں کے ساتھ مل کر ایک ادارہ قائم کیا ہے.....
’ڈھان چوانسٹی ٹیوٹ آف سوشل ریفارم‘ اس کے تین شعبے ہیں۔ تعلیمی، ثقافتی اور سیاسی..... ادارے کا مقصد ہے
سماجی اور معاشی سطح پر پسماندہ طبقے کے سماجی اور سیاسی حقوق کی حفاظت..... فاشزم کے خلاف یہ لڑائی شروانی اپنے
گھر سے شروع کرتے ہیں۔

آدھی رات کے سنائے میں کسی کے رونے کی آواز ابھرتی ہے.....!

شروانی کان دھرتے ہیں۔

رمیش یاد کو بلا کر گھر کی سیاست سمجھائی ہے اور نوٹوں سے بھرا ایک سوٹ کیس دیا ہے۔

رمیش یاد سوٹ کیس لے کر جیم الدین کے پاس جاتا ہے۔

”حاجی صاحب نے بھیجا ہے۔ آپ کے پیسے واپس کیئے ہیں اور غلطی کی معافی مانگی ہے

.....“

برسوں کی جی ہوئی انا کی گٹھلی میں حرکت ہوتی ہے.....

ہم بُرائی کو بُرائی سے ہی ختم کر سکتے ہیں.....

ہماری بُرائی تمہاری بُرائی سے اچھی ہے.....

شروانی نے اپنی گاڑی کا رخ حاجی برکت اللہ کے گھر کی طرف موڑ دیا ہے.....